اس شمارے کی قیمت دس روپے / دس ریال

اُردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

اس شمارے کے ساتھ خصوصی ضمیمہ

کراچی کے حال پر دنیا بھر کے
مسلمان بی بی بے نظیر سے پوچھتے ہیں

یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟

اس شمارے میں

☆ آر ایس ایس کو خوف ہے کہ ہندو اقلیت میں ہو جائیں گے
☆ کیا وزیر اعظم نان دیال حلقہ چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں؟
☆ مہاراشٹر حکومت مسلمانوں کی دینی شناخت ختم کر دینا چاہتی ہے
☆ تسلیمہ نسرین پر ٹی وی سیریل کیا گل کھلائے گا؟
☆ مایاوتی حکومت بنوانے پر آر ایس ایس اور شیو سینا بی جے پی سے برہم
☆ برطانیہ کی دوغلی پالیسی طشت از بام
☆ جدہ میں افغان کانفرنس کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا
☆ مصر میں اسلام پسندوں پر عرصہ حیات تنگ
اس کے علاوہ دیگر بہت سے اہم موضوعات اور مستقل کالم

دہلی پر قبضہ کے لئے یکساں سول کوڈ کا سہارا، اب ہر شخص کو

رام رام

کہنا ہوگا

اعوذ باللہ

AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRI LANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$ 3.50	HONG KONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	£ 1.30
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	US $ 3.00

ہمیں خوف ہے کہ اس ملک میں مسلمان اکثریت میں اور ہندو اقلیت میں ہو جائیں گے

اپنے وجود کی بقا کے لئے ہندو اٹھ کھڑے ہوں

آر ایس ایس کے ترجمان "پانچ جنیہ" کی بے سر پیر کی باتیں

اس ملک میں ہندو اکثریت میں ہیں اور مسلمان اقلیت میں۔ مسلمان چونکہ اقلیت میں ہیں اس لئے سرکاری سطح پر قدم قدم پر ان کے ساتھ سوتیلا سلوک کیا جاتا ہے اور عوامی سطح پر انہیں فرقہ وارانہ فسادات کا شکار بنا کر مظالم کی چکی میں پیسا جاتا ہے۔ سنگھ پریوار کی پوری پوری کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی طرح مسلمانوں کو ہر سطح پر دبائیں اور ان کے عزت نفس سے کھلواڑ کرکے انہیں اپنا ذہنی غلام بنائیں۔ کبھی مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی جاتی ہے تو کبھی مساجد شہید کی جاتی ہیں۔ کبھی نصاب تعلیم میں فرقہ واریت کی بارود بھری جاتی ہے تو کبھی انہیں اقتصادی بدحالی اور معاشی پسماندگی کے دلدل میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود سنگھ پریوار اٹھتے بیٹھتے ہندوؤں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتا رہتا ہے کہ تمہاری آبادی کم اور مسلمانوں کی زیادہ ہوتی جارہی ہے اور اگر تم نے اٹھ کر اس کا تدارک نہیں کیا تو ایک دن تم اقلیت میں اور مسلمان اکثریت میں ہوجائیں گے۔ اس وقت نہ تمہاری تہذیب بچے گی نہ ثقافت۔ نہ تمہارا سیاسی وجود رہ جائے گا نہ سماجی وجود۔ لہذا تمہیں مسلم آبادی کے عفریت کو روکنا ہے۔

حال ہی میں سنگھ پریوار کے ہندی ترجمان "پانچ جنیہ" میں اسی قسم کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جسے اختصار کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ہندوستان میں ہندو سماج کی جغرافیائی وسعت، آبادی اور مستقبل کے واضح اشاروں کی طرف توجہ مبذول کی جائے تو تشویشناک منظرنامہ دکھائی دیتا ہے۔ آزادی سے قبل ہندوستان میں 23 فیصد مسلمانوں کے لئے جس پاکستان کی تعمیر کی گئی تھی اسے ہندوستان کا تیس فیصد رقبہ دیا گیا تھا اور وہاں مسلمان صرف سولہ فیصد گئے۔ بقیہ سترہ فیصد ہندوستان ہی میں رہ گئے۔ جو ہندو پاکستان میں رہ گئے تھے انہیں یا تو جبراً مسلمان بنا لیا گیا ہے یا وہ انتہائی تضحیک آمیز زندگی گزار رہے ہیں۔ 1971ء سے قبل مشرقی پاکستان سے بنے بنگلہ دیش میں 1947ء کے وقت پچیس فیصد ہندو تھے آج ان کی آبادی محض دس فیصد کے آس پاس ہے۔

اب ذرا باقی بچے ستر فیصد رقبے والے موجودہ شکستہ ہندوستان پر نظر دوڑائیں۔ 1951ء کی مردم شماری میں ہندو تقریباً 92 فیصد تھے، لیکن اب ہندوؤں کا فیصد 82 سے زائد نہیں ہونے کا امکان ہے۔ ان چالیس سالوں میں مسلمان سات فیصد سے چودہ فیصد کے نزدیک آگئے ہیں۔

جب 1951ء سے 1991ء کے درمیان کے چالیس سالوں میں یہاں مسلمانوں کی آبادی دوگنی ہوگئی ہے تو اگلے چالیس سالوں یعنی 2031 میں یہ فیصد دوگنی یعنی 28 فیصد سے بھی زائد ہوجائے گی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہندو فیملی پلاننگ یعنی ضبط تولید پر عمل کرتے ہیں جبکہ مسلمان اس کے کنارے نہیں پھٹکتے۔

اگر 2031ء کے بعد کے اگلے چالیسویں سال کو دیکھیں تو 2071ء کے آس پاس ملک میں اسلام کے پیروکاروں کی آبادی 60 فیصد کو بھی پار کر چکے گی اور یہ سلسلہ کسی خاص علاقے میں محدود نہ ہو کر پورے ملک میں چلے گا۔

جب آج ہی ہندوستان کے جن علاقوں میں اسلام کے پیروکار اکثریت میں ہیں وہاں ہندوؤں کی زندگی تضحیک آمیز اور دہشت زدہ ہے جس کا نتیجہ نقل مکانی کی صورت میں سامنے آتا ہے بھلا ملک میں ان کے اکثریت میں ہوجانے کی صورت میں اور کیا کیا نہ ہوگا۔ ہندوستان میں اسلامی تاریخ اور مسلم ذہنیت کا تھوڑا بھی علم رکھنے والے کے ذہن میں بے شمار شبہات پیدا ہوسکتے ہیں۔

خوف اس بات کا ہے کہ مسلمانوں کے اکثریت میں آتے ہی وہ اس ملک کے نام تک کو بدل دیں گے۔ خوف اس بات کا ہے کہ ہندوؤں کے اقلیت میں آتے ہی یہ ملک سیکولر، جمہوری اور تمام شہریوں کے لئے مساوی جذبہ رکھنے والا نہیں رہ جائے گا۔ خوف ہے کہ سرزمین ہند پر ہندوستانی تہذیب و ثقافت اور ان کی خوبیوں کو نظرانداز کردیا جائے گا۔ خوف ہے کہ ہندوستان کا آئین اسلامی آئین بن جائے گا۔ خوف ہے کہ غیر مسلموں کو دوسرے درجے کا شہری بنا دیا جائے گا۔ خوف ہے کہ سبھی مذاہب کو یکساں احترام دینے کی روایت کی بیخ کنی کردی جائے گی۔ خوف ہے کہ ہندو ذات کی قدامت، ثقافت، عزت نفس، فلسفہ اور اس کی اقدار پر سوالیہ نشان لگ جائے گا۔ خوف ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے اکثریت میں آتے ہی وہ ہندو اقلیت کو بتدریج نگلتے ہوئے ختم کرنے کی کوشش کریں گے جیسا کہ پاکستان اور بنگلہ دیش میں ہوا اور ہورہا ہے۔

ابھی یہ 14 فیصد اقلیت ہی ملک کے سیاسی نظام اور امن و امان کو فیصلہ کن طریقے سے متاثر کرتے ہیں تو 28 فیصد یا 56 فیصد ہوتے ہی یہ کیا رنگ دکھائیں گے؟ یہ سوچنے کی بات ہے۔ اس لئے ہم ہندوؤں اور عمومی سیوکوں کو سب سے پہلے ملک میں مردم شماری میں ہندوؤں کی کم ہوتی ہوئی آبادی کو روکنے کے لئے سخت اور واضح طریقے سے کھڑا ہوجانا چاہئے کیونکہ یہ معاملہ براہ راست طور پر ہمارے وجود کی بقا سے منسلک ہے۔

> خوف ہے کہ سرزمین ہند پر ہندوستانی تہذیب وثقافت اور ان کی خوبیوں کو نذر انداز کردیا جائے گا۔ خوف ہے کہ غیر مسلموں کو دوسرے درجے کا شہری بنادیا جائے گا۔ خوف ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے اکثریت میں آتے ہی وہ ہندو اقلیت کو بردریج نگلتے ہوئے ختم کرنے کی کوشش کریں گے جیسا کہ پاکستان اور بنگلہ دیش میں ہوا اور ہورہا ہے

ایک سے زائد بیویاں رکھنے والے یہ سیاستداں

آہ بے چاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

مسلمانوں پر چار شادیوں کا الزام لگانے والے ذرا اپنے گریبان میں بھی جھانکیں

سنگھ پریوار سے وابستہ تنگ ذہن افراد اور مسلم مخالف ذہنیت کے حامل عناصر اکثر و بیشتر مسلمانوں پر چار چار شادیاں رچانے کا الزام عائد کرتے رہتے ہیں۔ ان کے خیال میں مسلمانوں کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے۔ ان کا یہ بھی نظریہ ہے کہ اسلام میں چونکہ چار شادیوں کی اجازت ہے اور آئین میں بھی انہیں اس کی چھوٹ ملی ہوئی ہے اس لئے مسلمان اس کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی الزام سے جڑا ہوا ایک منطقی الزام یہ بھی ہے کہ مسلمان چونکہ چار چار شادیاں کرتے ہیں اس لئے بچے بھی زیادہ پیدا کرتے ہیں اور اس طرح ان کی آبادی میں بے پناہ اضافہ ہوتا جارہا ہے اسی لئے سنگھ پریوار سے وابستہ عناصر اور دوسرے لوگ بھی یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں۔

حالانکہ اگر ان الزامات کا پوسٹ مارٹم کیا جائے تو رپورٹ اس کے بالکل برعکس نظر آئے گی۔ معدودے چند مسلمان ہی ایک سے زائد شادیاں کرتے ہیں اور جہاں تک کثرت اولاد کی بات ہے تو عموماً ہندوؤں اور مسلمانوں کے یہاں بچوں کی شرح پیدائش تقریباً یکساں ہے۔ عام آدمی کی بات چھوڑ کر اگر ہندو ممبران پارلیمنٹ اور ممبران اسمبلی کی بات کریں تو یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اس طبقے میں بھی تعدد ازدواج کا زبردست شوق ہے اور یہ لوگ ایک سے زائد بیویاں رکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ حال ہی میں ایک اخبار میں بہار کے سیاستدانوں سے متعلق ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح ان میں تعدد ازدواج کا ذوق بڑھتا جارہا ہے۔ ان میں سے اکثر تو ایک سے زائد بیویاں رکھنے کو ترجیح دینے کا اعلان ڈنکے کی چوٹ پر کرتے ہیں۔ جب کہ ہندو کوڈ بل کے مطابق ایک سے زائد شادی کرنا جرم ہے اور اس کی سزا متعین ہے۔

بہار کے ان سیاستدانوں میں سرفہرست سابق مرکزی وزیر اور جنتا دل کے لیڈر رام بلاس پاسوان ہیں۔ انہیں فائیو اسٹار دلت کہا جاتا ہے۔ یہ اپنی دوسری بیوی رینا کے ساتھ دہلی میں رہتے ہیں جبکہ ان کی پہلی بیوی راجکماری بہار میں کھگڑیا ضلع کے ایک گاؤں میں رہتی ہے۔ راجکماری کا خیال ہے کہ چونکہ وہ بدصورت اور جاہل ہے اس لئے پاسوان نے دوسری شادی کرلی ہے۔ گذشتہ دنوں بہار اسمبلی میں اس وقت زبردست ہنگامہ ہوا جب حزب اختلاف کے لیڈروں نے وزیر آبپاشی منگنی لال منڈل پر الزام لگایا کہ انہوں نے اپنی بیوی بینا رانی کو اپنے گھر سے زبردستی نکال دیا ہے۔ دراصل مسٹر منڈل کا ایک دوسری خاتون آرتی سنگھ سے معاشقہ چل رہا ہے۔ بینا رانی نے مخالفت کی تو انہیں گھر سے نکال دیا گیا۔

منگنی لال منڈل واحد مثال نہیں ہیں۔ مختلف سیاسی پارٹیوں سے وابستہ بے شمار سیاستداں اس حمام میں ننگے نظر آتے ہیں۔ البتہ کچھ لوگ خفیہ طریقے سے دوسری بیوی رکھے ہوئے ہیں اور کچھ علی الاعلان۔ سہرسہ کے ممبر پارلیمنٹ سوریہ نرائن یادو نے جنہوں نے جنتا دل کے ٹکٹ پر کامیابی حاصل کرکے بعد میں دل بدلی کرکے کانگریس میں شمولیت اختیار کرلی، 1980ء میں ایک نرس رینا کماری سے خفیہ شادی کر رکھی ہے۔ ان کی پہلی بیوی سوشیلا دیوی بھی اس سے واقف ہیں۔ جنتا دل کے سابق ممبر اسمبلی مسٹر مدھو سنگھ نے اپنی پہلی بیوی کی موجودگی میں اپنی سے نصف عمر کی ایک لڑکی سے شادی کر رکھی ہے۔ انہیں اس پر ذرا بھی پشیمانی نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس وہ فخریہ انداز میں کہتے ہیں کہ یہ تو سب کو پتا ہے کہ مدھو نے دو بیویاں رکھی ہوئی ہیں، جنتا دل کے ایک اور سابق ایم ایل اے منگل رام نے پانچ سال قبل ایک خاتون سوچیتا سے شادی کرنے کے بعد اپنی پہلی بیوی جمنا کروا کو چھوڑ دیا ہے۔ کروا کو منگل رام ہر مہینے ایک ہزار روپے بطور خرچ دیتے ہیں۔ اسے اس لئے گھر سے نکال دیا گیا تھا کہ اس نے دوسری شادی کی مخالفت کی تھی۔

سابق مرکزی وزیر اور اب بی جے پی کے ممبر حکم دیو نارائن یادو 1982ء میں سپریم کورٹ کی ایک وکیل مس سدیش یادو کے عشق میں گرفتار ہوگئے اور شادی کرلی۔ شادی سے قبل ان دونوں کی ملاقات ہریانہ میں اس وقت ہوئی تھی جب سدیش یادو اسمبلی ٹکٹ کی جدوجہد کر رہی تھیں لیکن سابق وزیراعظم چرن سنگھ نے ان کی درخواست رد کردی تھی۔ مایوس سدیش یادو اور حکم دیو نارائن میں ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اور بالآخر دونوں نے شادی کرلی۔ ان کے تین بچے ہیں اور بتایا جاتا ہے کہ سابق بیوی سے ان کے خوشگوار تعلقات ہیں۔

بہار کے ایک قبائلی لیڈر بیگون سمبرائی کا معاملہ تو ان سب سے الگ، انتہائی حیرت انگیز اور ناقابل یقین ہے۔ چار بار وہ پارلیمنٹ کے لئے منتخب ہوئے ہیں اور تین بار پارٹی بدل چکے ہیں، انہوں نے 58 شادیاں کی ہیں۔ ان کی آخری شادی ابھی تین سال قبل ہوئی ہے۔ چونکہ قبائلیوں میں تعداد ازدواج کوئی جرم نہیں ہے اس لئے انہوں نے اپنے جرم کو نہ صرف "جنسی آسودگی" کے لئے اتنی وسعت دے رکھی ہے بلکہ ان کے بارے میں یہ بھی خیال ہے کہ وہ "حسن کے پجاری" ہیں۔ ان سیاستدانوں کے علاوہ اور بھی بے شمار ایسے ہیں جنہوں نے ایک سے زائد شادیاں کر رکھی ہیں مگر اعتراف حقیقت سے ڈرتے ہیں۔

> بہار کے ایک قبائلی لیڈر بیگون سمبرائی کا معاملہ توان سب سے الگ، انتہائی حیرت انگیز اور ناقابل یقین ہے۔ چار بار وہ پارلیمنٹ کے لئے منتخب ہوئے ہیں اور تین بار پارٹی بدل چکے ہیں، انہوں نے 58 شادیاں کی ہیں

پورے ملک کو ہندو تہذیب و ثقافت میں رنگ دینے کا کھیل

دہلی پر قبضہ کے لیے یکساں سول کوڈ کا سہارا

تحریر : سہیل انجم

یکساں سول کوڈ کے مردہ گھوڑے میں نئی روح پھونکنے کی کوشش ایک بار پھر تیز ہوگئی ہے ۔ ہندو احیاپسند جماعتیں بالخصوص آر ایس ایس، وشو ہندو پریشد، شیو سینا اور بی جے پی نے ہندوتو کی تلواریں سونت لی ہیں اور دہلی کی طرف کوچ شروع کردیا ہے ۔ ان عسکریت پسند جماعتوں نے یکساں سول کوڈ کو موثر اور کارگر ہتھیار کے طور پر اپنالیا ہے ۔ آئندہ سال ہونے والے عام انتخابات کی مہابھارت کو اسی ہتھیار سے فتح کرنے کی حکمت عملی ترتیب دی جارہی ہے ۔ گذشتہ دنوں سپریم کورٹ کے جسٹس کلدیپ سنگھ کے یکساں سول کوڈ پر دیے گئے فیصلے نے ہندو احیاپسندی کو آکسیجن فراہم کرنے کا کام کیا ہے اور ان تنظیموں خصوصاً سنگھ پریوار کو یہ یقین ہوچلا ہے کہ یہ آکسیجن اس کے لئے آب حیات کا رول ادا کرے گا اور ہندوستان کی پارلیمنٹ پر بھگوا لہرانے اور اس ملک کو ہندو راشٹر میں تبدیل کرنے کا اس کا دیرینہ خواب ضرور شرمندہ تعبیر ہوگا۔

گذشتہ دنوں بی جے پی کے صدر ایل کے آڈوانی نے اعلان کیا ہے کہ عام انتخابات میں یکساں سول کوڈ کو الیکشن ایشو بنایا جائے گا ۔ ادھر مہاراشٹر میں شیو سینا حکومت نے بھی اعلان کیا ہے کہ وہ ریاست میں یکساں سول کوڈ نافذ کرے گی ۔ عام انتخابات سے قبل جسٹس کلدیپ سنگھ کا یکساں سول کوڈ کا شوشہ چھوڑنا بھی کسی خاص سمت میں اشارہ کرتا ہے ۔ گویا انتخابی بساط کے بچھنے سے قبل موہروں کو ترتیب دیا جارہا ہے اور انتہائی ہوشیاری، چالاکی، عیاری و مکاری کے ساتھ بساط انتخاب پر قبضہ جماکر مرکزی اقتدار کی باگ ڈور کو اپنی مٹھی میں کرنے کی تیاری ہورہی ہے۔

یکساں سول کوڈ کا نفاذ یا بالفاظ دیگر ہندوستان کو ہندو راشٹر میں تبدیل کرنا سنگھ پریوار کا دیرینہ خواب ہے ۔ وہ اس ملک پر اپنا نظریہ قومیت و شہریت تھوپنا چاہتا ہے ۔ ہندو مہا سبھا سے لے کر آر ایس ایس، وشو ہندو پریشد اور بی جے پی تک سب کی یہی خواہش ہے کہ اس ملک میں ہندو تہذیب اور ہندو مذہب کو سرکاری طور پر تسلیم کرکے ملک کے تمام فرقوں، طبقوں اور تمام مذاہب کے ماننے والوں پر لاگو کیا جائے اور ہر شخص خواہ وہ ہندو ہو یا مسلم، سکھ ہو یا عیسائی یا کسی اور مذہب و فرقہ سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو خود کو "ہندو" تسلیم کرے ۔ ہندو مذہب کے پیشواؤں کو اپنا پیشوا اور اپنا ہیرو مانے ۔ ہندو کلچر میں اس طرح رچ بس جائے کہ اس کی علیحدہ شناخت ختم ہوجائے ۔ وہ ہندوتو کے قومی دھارے میں شامل ہوکر خود کو اس کا ایک فرد بنادے ۔ ہندو تہذیب و ثقافت پر فخر کرنے کو طرۂ امتیاز سمجھے، رام اور کرشن کو مذہبی اور قومی ہیرو مانے، ہر شخص اپنی پیشانی پر قشقہ لگائے، بھگوا پٹی باندھے، دھوتی پہنے اور ایک دوسرے کو "رام رام" کہے۔ گویا تمام مذاہب کا خاتمہ ہوجائے ۔ سارے فرقے اپنا وجود کھودیں اور صرف ایک شناخت اور ایک تشخص باقی رہے اور وہ ہے ہندو تہذیب و ثقافت کی شناخت اور ہندو مذہب کا تشخص۔

مسلمانوں کے تعلق سے سنگھ پریوار کا نظریہ یہ

ہے کہ وہ بھی ہندو ہیں، ان کی رگوں میں بھی ہندو خون گردش کر رہا ہے اور ان کے اسلاف بھی وہی ہیں جو ہمارے ہیں ۔ لیکن مسلمانوں نے تبدیلی مذہب کرکے اپنے اسلاف کے دین دھرم اور ان کی تہذیب و ثقافت کو خیرباد کہہ دیا ہے ۔ انہوں نے اپنے پوروجوں سے غداری کی ہے اور اپنے اجداد کا گھر چھوڑ کر "اغیار" کے گھروں میں پناہ لے لی ہے ۔ لہذا ضرورت اس کی ہے کہ انہیں ان کے اجداد اور ان کی پراچین سنسکرتی کا حوالہ دے کر، واپس ہونے پر مجبور کیا جائے ۔ ان کا شدھی کرن کیا جائے تاکہ وہ اپنے دل کے نہاں خانے میں اللہ کے بجائے ان کے دیوی دیوتاؤں کو بٹھالیں اور ایک اللہ کی پرستش کے بجائے ان دیوی دیوتاؤں کی پوجا کریں اور اپنے گھروں میں واپس آجائیں۔ وہ خود کو مسلمان کہنے کے بجائے ہندو یا "محمدی ہندو" کہیں اور ہندوستانی یعنی ہندو قومیت کا ایک حصہ بن جائیں۔

یوں تو یہ بات کہ مسلمان بھی ہندو تھے سنگھ پریوار کے تمام لیڈران کہتے آئے ہیں اور ابھی حال ہی میں دہلی کے امبیڈکر اسٹیڈیم میں منعقد آر ایس ایس کے سالانہ اجلاس میں اس کے موجودہ سر سنگھ چالک پروفیسر راجیندر سنگھ نے بھی یہ کہتے ہوئے اس کی توثیق کی کہ ہم تو یہ مان کر چلتے ہیں کہ اس ملک کے 98فیصد مسلمانوں کے پوروج ہندو ہیں۔ اس لئے ہم ان کو غیر نہیں جانتے ۔ ان کے اسلاف یہاں کے، ان کی سرزمین یہاں کی اور دیکھا جائے تو ان کی تہذیب بھی یہیں کی ہے ۔ البتہ ان کا طریقہ عبادت الگ ہوگیا ہے۔

سنگھ پریوار کے اس نظریے کو اکثر اس کا ہر چھوٹا بڑا لیڈر دوہراتا رہتا ہے کہ یہاں کے مسلمان ہندو ہیں اور ہندوستان پر حکومت کرچکے مسلم حکمراں غیر ملکی حملہ آور ۔ لہذا مسلمان بھی محمد بن قاسم، محمود غزنوی اور بابر وغیرہ حکمرانوں کو غیر ملکی حملہ آور تسلیم کریں اور ان سے اپنا ہر طرح کا رشتہ منقطع کرلیں۔

سنگھ پریوار کا یہ بھی کہنا ہے کہ موجودہ سیکولرزم نقلی ہے ۔ ہندوستان کو سیکولر نہیں ہندو اسٹیٹ ہونا چاہئے اور اسی ہندو اسٹیٹ کے قیام کا خواب ڈاکٹر ہیڈگیوار، گرو گولوالکر، ویر ساورکر،

باقی صفحہ 15 پر

دستور کے غیر اسلامی قوانین مسلمانوں کے لیے ناقابل قبول

سلیم مقصود (جدہ) کی تحریر

انگریزوں نے ہندوستان میں اصلاحات جاری کرنے اور ہندوستانیوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دینے کے لئے سائمن کمیشن مقرر کیا تھا مگر اس کمیشن میں کسی ہندوستانی قائد کو شامل نہیں کیا گیا تھا ۔ جس پر ہندوستانی لیڈروں نے سخت تنقید کی تھی ۔ چنانچہ حکومت برطانیہ نے ہندوستانیوں کو اپنا دستور خود بنانے کی آزادی دے دی ۔ لیکن ہندوستانی رہنماؤں میں ہندو، مسلمان اور دیگر اقلیتوں کی نمائندگی اور تناسب اور اختیارات پر شدید اختلافات پیدا ہوگئے ۔ اور کسی نتیجے پر پہنچنا دشوار ہوگیا ۔ چنانچہ موتی لال نہرو کی سربراہی میں ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی گئی ۔ جس کی رپورٹ کو کانگریس نے منظور کرلیا ۔ لیکن اس رپورٹ میں حیرت انگیز طور پر ہندوستان کو ایک نو آبادیاتی ریاست تسلیم کرلیا گیا تھا ۔ حالانکہ یہ بات متفقہ طور پر طے کی جاچکی تھی کہ دستور ہندوستان کی آئندہ مکمل آزادی کو پیش نظر رکھ کر بنایا جائے گا۔ مسلمانوں کا کہنا تھا کہ یہ آئین ہندو فرقہ پرست لیڈروں کی شدھی تحریک کے زیر اثر بنایا گیا ہے اس لئے اس میں مسلمانوں کو مناسب مراعات نہیں دی گئی ہیں ۔ محمد علی جناح نے مسلمانوں کی طرف سے چودہ نکات پیش کئے جنہیں مکمل طور پر رد کردیا گیا۔

1946ء میں ہندوستان کو مکمل آزادی دینے کے لئے برطانیہ نے کیبنٹ مشن کو ہندوستان بھیجا جس نے ہندو مسلم قائدین سے آزادی کے مسئلے پر گفتگو کی ۔ تقسیم ملک کی بنا پر سارا ہندوستان خون آشام فسادات میں ڈوب گیا ۔ اس طرح ہندوستان کی آزادی اور اس کے دستور کی بنیاد ہندو مسلمان کے خون سے تر اینٹ اور گارے پر رکھی گئی ۔ بعد میں اسی قانون ساز اسمبلی نے جسے جولائی 1946ء میں قائم کیا گیا تھا ۔ 26 نومبر 1948ء کو دستور ہند وضع کرلیا ۔ جسے 26 جنوری 1950ء کو قانونی طور پر سارے ہندوستان میں نافذ کیا گیا ۔ بھارت کی بعض فرقہ پرست جماعتوں کے لئے یہ آئین قابل قبول نہیں تھا ۔ خصوصاً آر ایس ایس کے سر سنگھ چالک گروگولوالکر نے ستمبر 1949ء میں لکھنؤ میں تقریر کرتے ہوئے اسے نظریاتی طور پر "غیر بھارتی آئین" قرار دیا ۔ آر ایس ایس کے نظریاتی اخبار "آرگنائزر" کے مدیر ملکانی نے آر ایس ایس کے تربیت یافتہ گروہ کا رتبہ اس دستور سے بالاتر بتلایا ۔ ہندوستان کے آئین نے عوام کو اقتدار اعلیٰ تسلیم کیا ہے اس کے الرغم آر ایس ایس اپنے گروہ کو خود مختار حاکم سے تعبیر کرتی ہے ۔ اور جمہوری ضابطے کو خود سے فروتر سمجھتی ہے ۔ گروگولوالکر اپنی کتاب بنچ آف تھاٹس میں جمہوریت کے بجائے بادشاہت کو غیر معمولی طریقہ پر منفعت بخش، ہزاروں سال تک قائم رہنے والی، خوشحالی عطا کرنے والی اور ہر شعبہ حیات میں روح آزادی کو قائم رکھنے والی قرار دیتے ہیں ۔ ہندوستان کی اعلیٰ ذاتوں کے ہندوؤں کے لئے اس دستور کو رد کرنے کے لئے یہی وجہ کافی تھی کہ اسے ایک دلت قائد ڈاکٹر امبیڈکر کی زیر نگرانی ترتیب دیا گیا تھا۔

ہندوستان کے دستور کی بنیاد برطانیہ کے دستور اور لیگ آف نیشن کے چارٹر پر رکھی گئی ۔ دستور کے دیباچے میں یہ بات واضح انداز میں کہی گئی کہ ہندوستان سوشلسٹ سیکولر جمہوریت کہلائے گا ۔ سارے ہندوستانیوں کی حیثیت برابر ہوگی ۔ سب کو یکساں ترقی کے مواقع حاصل ہوں گے ۔ بنیادی حقوق کے تحت تمام ہندوستانیوں کے ساتھ یکساں سلوک کرنے، انہیں قانونی تحفظ دینے اور رنگ و نسل و مذہب و جنس اور ذات پات کی بنا پر امتیازی سلوک نہ کرنے کی گارنٹی فراہم کی گئی ۔ مسلمانوں کے پرسنل لا کو جسے انگریزوں نے 1937ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی سے منظور کرواکر مسلم پرسنل لا شریعت ایپلی کیشن ایکٹ کے نام سے نافذ کردیا تھا ۔ اسے بغیر نظرثانی کے دستور میں شامل کردیا گیا ۔ حالانکہ انگریزوں کے دور اقتدار میں خود مسلمان اس قانون سے مطمئن نہیں تھے ۔ انگریزوں نے مسلم پرسنل لا ایکٹ کی تدوین کے وقت علماء اور فقہاء کی کوئی کمیٹی مقرر کرکے باضابطہ شرعی قانون کا استنباط نہیں کیا تھا ۔ پھر آزادی ہند کے وقت بھی جو لوگ قانون ساز اسمبلی کے رکن تھے ان میں سوائے مولانا آزاد کے کوئی بھی شریعت اسلامی سے کما حقہ واقف نہ تھا ۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جب آئین میں دفعہ 44 کی شمولیت کی گئی جس کے تحت حکومت ہند اس

باقی صفحہ 14 پر

بے نظیر اور الطاف حسین دونوں کو سوچنا چاہئے کہ

کراچی کو آگ اور خون کا جہنم کس نے بنایا

مہاجروں کو غدار کہہ کر بے نظیر نے کراچی میں جس خون خرابے کا آغاز کیا تھا اس میں الطاف حسین کے اس بیان کے بعد کمی آگئی ہے کہ حکومت کے خلاف احتجاج بند کردیا جائے ۔ ایسا غالباً اعلیٰ سطح پر مذاکرات کے بعد ہوا ہے ۔ کیونکہ اس کے فوراً بعد سندھ حکومت نے ایم کیو ایم کو مذاکرات کے لئے مدعو کرلیا ہے ۔

ایم کیو ایم اور حکومت کے درمیان پہلے بھی تفصیلی مذاکرات اور بعض معاہدات بھی ہوئے ہیں لیکن ان سب کے باوجود وہاں حالات کبھی سدھر نہ سکے ۔ آج صورت حال پہلے سے کہیں زیادہ خراب ہے ۔ اگرچہ سندھ کے وزیراعلیٰ عبداللہ شاہ نے حالیہ شورش کو دہشت گردی سے تعبیر کیا ہے لیکن نئے گورنر کمال اظفر نے ، جو خود مہاجر ہیں ، اسے Insurgency کے لفظ سے بیان کیا ہے ۔ سابق وزیراعظم نواز شریف تو ایک قدم اور آگے بڑھ گئے ہیں ۔ کشمیر کے بارے میں ان کے خیالات سے ہر کوئی آگاہ ہے ۔ وہ اکثر بے نظیر کو کشمیر کے مسئلے پر لاپرواہی برتنے کا طعنہ دیتے رہتے ہیں ۔ اب انہی نواز شریف نے یہ کہا ہے کہ "کشمیر سے پہلے کراچی کا مسئلہ حل کرو" ۔ اس سے کراچی کی سنگین صورت حال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔

بے نظیر بھٹو کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ وہ کراچی کے مسئلے کو ایک سماجی ، معاشی اور سیاسی مسئلہ سمجھنے کے بجائے اسے نظم و قانون کا مسئلہ تصور کرتی ہیں ۔ یہی دراصل ان کی بنیادی غلطی ہے ۔ اگر یہ مسئلہ چند مٹھی بھر دہشت گردوں کا پیدا کیا ہوا ہوتا تو فوج ، جو 1992 سے ایم کیو ایم کو ختم کرنے میں لگی ہوئی ہے اب تک اس مسئلے کو حل کرچکی ہوتی ۔ سچ یہ ہے کہ ایم کیو ایم کی تشدد کی پالیسی بلاشبہ غلط ہے لیکن اس تحریک کو مہاجروں میں زبردست مقبولیت حاصل ہے ۔

دیکھنا یہ چاہئے کہ 1947ء کے بعد کراچی کس طرح بہت جلد ایک میٹرو بن گیا ۔ پہلے مہاجر آئے ۔ پھر پٹھان اور پنجابی آئے ۔ سندھی ظاہر ہے پہلے ہی سے تھے ۔ چونکہ مہاجر متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اس لئے شروع میں بیوروکریسی اور حکومت کے دوسرے روزگاروں میں ان کا حصہ نمایاں تھا

اسلامی اداروں کے طلبہ کی زندگی بھی غیر محفوظ

مہاجروں میں سے کم ہی لوگ تجارت اور دوسرے پیشوں کی طرف متوجہ ہوئے ۔ چنانچہ جب سندھیوں ، پٹھانوں اور پنجابیوں (کراچی کے پنجابیوں میں) بھی تعلیم آگئی تو وہ بھی سرکاری نوکریوں میں حصہ دار بننے لگے ۔ ایوب خان کے مارشل لا کے دور میں اور اس کے بعد بھی بعض ناعاقبت اندیش حکمرانوں نے مہاجروں کو نوکریوں سے بے دخل کرکے ان کے اثر کو کم کرنے کی بھی کوشش کی ۔ ان سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مہاجر جن کی معاشیات بنیادی طور پر سرکاری نوکری پر منحصر تھی ، غریب ہوتے گئے ۔ پاکستان کے لئے بے شمار قربانیاں دینے کی وجہ سے انہوں نے کبھی گروپ کے انداز میں نہیں سوچا تھا یہی وجہ ہے کہ وہ مسلم لیگ ، جماعت اسلامی اور جمعیۃ علمائے اسلام جیسی پارٹیوں کو ووٹ دیتے تھے ۔ لیکن یہ ساری ہی پارٹیاں بے روزگار نوجوان مہاجروں کے جذبات کو سمجھنے میں ناکام رہیں ۔ ان کی لیڈر شپ ان مہاجروں وغیرہ کے ہاتھ میں تھی جو پاکستان کے لئے اپنا سب کچھ ہندوستان میں چھوڑ کر چلے آئے تھے ۔ نئی نسل جس نے پاکستان میں جنم لیا تھا اور جس نے تقسیم کا زمانہ نہیں دیکھا تھا اس کے جذبات و خیالات پرانی پیڑھی سے مختلف تھے ۔ یہ نئی نسل محسوس کررہی تھی کہ پاکستانی حکومت ان کے خلاف امتیازی سلوک اختیار کرتی ہے جس کی وجہ سے انہیں نوکریاں نہیں مل رہی ہیں ۔ ایم کیو ایم دراصل نئی مہاجر نسل کی اسی سوچ کی ترجمان ہے ۔ اور جب تک احساس محرومی کی کوکھ سے پیدا ہونے والی اس صحیح یا غلط سوچ کو ختم نہیں کیا جاتا اس وقت تک شاید کراچی کو امن نصیب نہ ہو ۔ ظاہر ہے یہ سوچ ایک سماجی اور معاشی مسئلہ ہے نہ کہ دہشت گردی ۔ اس لئے کراچی کے مسئلے کو قانون کا مسئلہ سمجھنے کے بجائے اسے ایک سماجی اور معاشی مسئلہ سمجھ کر اس کے حل کی کوشش کرنی چاہئے ۔

محض بے نظیر کو ہی مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا ۔ ایم کیو ایم کے سربراہ ، جو بے نظیر کو فسطائی کہتے ہیں ، خود بھی اکثر فسطائی ذہنیت کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں ۔ بے نظیر ہوں یا الطاف حسین ، دونوں کو سمجھنا چاہئے کہ ایک دوسرے کو فسطائی کہنے سے کراچی کا مسئلہ حل نہ ہوگا بلکہ سنجیدگی سے غور کرکے ٹھنڈے دل و دماغ ہی سے کراچی کو آگ اور خون کے جہنم سے نکالا جاسکتا ہے ۔ دونوں ہی فریقوں کو مذاکرات کی میز پر آنا ہوگا اور ٹھنڈے دل و دماغ سے ہر گروپ کے مسائل کو سمجھ کر ایک ایسا حل تلاش کرنا ہوگا جس سے سبھی کا بھلا ہو ۔ سب سے بڑی بات یہ کہ عوام کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ مسائل بے شمار ہیں جو دنوں میں نہیں بلکہ سالوں میں حل ہوں گے اور ہر طبقے کے لوگوں کو اس ضمن میں کچھ نہ کچھ قربانی دینی ہوگی چاہے وہ مہاجر ہوں ، سندھی ، پنجابی یا پٹھان ۔ جب تک یہ "احساس قربانی" لوگوں کے دلوں میں اجاگر نہ ہو تب تک شاید کراچی کو امن و سکون بھی نصیب نہ ہوسکے گا ۔

•

یہ کس کا لہو ہے کون مرا ؟

اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا خون بہے یا وادی کشمیر میں مسلم خواتین کی آبرو تاخت و تاراج ہو ، بوسنیا میں مسلمان ظالم سربوں کی قہرسامانیوں کے شکار ہوں یا چیچنیا میں روسی درندے مسلم مجاہدین کا قتل عام کررہے ہوں تو دنیا بھر کے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ ان ممالک میں مسلمانوں کا سابقہ جن لوگوں سے ہے ان کی آنکھوں پر مذہبی تعصب کی آہنی دبیز پٹیاں پڑی ہوئی ہیں اور وہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کو برداشت نہیں کرسکتے ۔ لیکن اگر مملکت خداداد پاکستان میں مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا خون بہنے ، مساجد کو فائرنگ کا نشانہ بنانے ، نمازیوں کے لہو سے مسجدوں کے در و بام کو رنگ دینے ، عام مسلمانوں کی زندگی کو عدم تحفظ کا شکار بنانے ، امن و قانون کی جگہ پر بندوقوں کی حکمرانی قائم کرنے اور سیاسی مفاد پرستی کی خاطر اپنے ہی بھائیوں کا گلا کاٹنے کی روایت قائم ہوجائے تو مسلمان تو مسلمان غیر مسلم تک یہ استفسار کرنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ آخر ان پاکستانیوں کو ہوا کیا ہے ؟ یہ خون آشام لڑائیوں میں کیوں ملوث ہیں ؟ اور کیا وحشت و بربریت اور قتل و خوں ریزی مسلمانوں کی خمیر ہی میں شامل ہے ؟ یہ کیسا مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کے درمیان اخوت و اتحاد پیدا نہیں کرسکتا اور پیار و محبت کی فضا پروان نہیں چڑھا سکتا ۔

آج کراچی جن سنگین واقعات سے گزر رہا ہے ، وہاں کے مسلمان جن خوں ریز مقابلہ آرائیوں میں ملوث ہیں اور جس طرح اپنے ہی بھائیوں کو بندوقوں سے بھون کر قبرستان آباد کرنے میں مصروف ہیں اس تناظر میں اسلام کا فلسفہ اخوت مشکوک ہوگیا ہے ۔ گویا جو کام اسلام اور مسلمانوں کے بڑے بڑے دشمن نہ کرپاتے وہ پاکستانی مسلمانوں نے کردکھایا ہے ۔ بھائی بھائی کو ذبح کررہا ہے ، خوف و دہشت کے عالم میں لوگوں نے گھروں سے نکلنا ترک کردیا ہے ، سڑکیں اور گلیاں سنسان ہوگئی ہیں ، اگر کوئی کسی ضرورت کے تحت باہر نکلتا بھی ہے تو سر ہتھیلی اور جان اپنی مٹھی میں لے کر ، گویا زندگی کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ گئی ہے ۔ کب کون لبلبی دباکر دو چار لوگوں کی شمع حیات گل کردے ، کہا نہیں جاسکتا ۔ جنازے پر جنازہ نکل رہا ہے ، ماتم پر ماتم ہورہا ہے ، کسی کا بھائی جدا ہورہا ہے تو کسی کے جگر کا ٹکڑا چھنا جارہا ہے ، کوئی یتیم ہورہا ہے تو کسی کے بڑھاپے کی لاٹھی اس کے ہاتھوں سے گری جارہی ہے ۔ مدرسوں اور اسلامی اداروں کی چہار دیواریاں خون میں ڈوب گئی ہیں ، عزت و آبرو نیلام پر چڑھ گئی ہے ۔ املاک و جائداد تباہ و برباد ہورہی ہیں اور ایک اسلامی ملک میں مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ کی گارنٹی ختم ہوگئی ہے ۔

پاکستان کو مملکت خداداد کہا جاتا ہے ، وہ مسلم معاشرے والا ملک ہے ۔ لیکن کیا واقعی وہ مسلم معاشرہ کہلانے کا حقدار ہے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہاں فسق و فجور اور رشوت و شراب نوشی عام ہے ۔ منی بیگم کے مجلس رقص و طرب میں لاکھوں کا مجمع ہے لیکن جہاد پر جانے والے یا اپنے دل میں جذبہ جہاد رکھنے والے نوجوانوں کو انگلیوں پر شمار کیا جاسکتا ہے ۔ بسنت کا تہوار ہو یا سال نو کی آمد آمد کا موقع ، ان پاکستانی مسلمانوں کے تیور کچھ اور ہی کہانی

باقی صفحہ ۱۳ پر

شام اور اسرائیل میں امن معاہدے کی واحد شرط

جولان کی پہاڑیوں سے اسرائیل کی واپسی

جون کے آخر میں شام اور اسرائیل کے افسران امن مذاکرات دوبارہ شروع کرنے والے ہیں اور اس مرتبہ لوگوں کو امید ہے کہ کوئی نہ کوئی سمجھوتہ ہو جائے گا۔ ایسا اس لئے ممکن ہو سکا کہ اسرائیل نے بالاخر شمعون پیریز کے الفاظ میں یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ "شام کے ساتھ امن کے لئے ہمیں وہی قیمت دینی ہوگی جو ہم نے مصر کو ادا کی تھی"۔ یعنی جس طرح مصر سے امن معاہدے کے لئے اسرائیل نے مقبوضہ سینائی کا پورا علاقہ اسے واپس کر دیا تھا اسی طرح شام سے امن معاہدے کی خاطر اسے جولان کی پہاڑیاں دمشق کو واپس کرنی پڑیں گی۔

گذشتہ 4 جون کو اسرائیلی وزیر خارجہ شمعون پیریز نے بہت واضح الفاظ میں کہا کہ دمشق کے ساتھ امن کے لئے اسرائیل جولان کا مقبوضہ علاقہ شام کو واپس کر دے گا۔ اس مفہوم کے بیانات شمعون پیریز تقریباً ایک ہفتے سے روزانہ ہی دے رہے تھے اور وزیر اعظم اسحاق رابن نے خلاف عادت ان کی تردید نہیں کی تھی۔ اسی سے مبصرین کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ بالاخر اسرائیل نے شام سے جولان کی قیمت پر امن معاہدہ کرنے کی ٹھان لی ہے

اور پھر اچانک 5 جون کو اسحاق رابن نے یہ کہہ کر سب کو تعجب میں ڈال دیا کہ "اسرائیل کے عوام شام سے امن کے حق میں ووٹ ڈالنے کو تیار ہیں چاہے اس کے لئے جولان سے تکلیف کے ساتھ واپس ہونا پڑے"۔ مسٹر رابن نے اسی کے ساتھ اس مسئلے پر ریفرنڈم کرانے کے اپنے وعدہ کو پھر دہرایا اور اس اعتماد کا اظہار کیا کہ لوگ شام کے ساتھ امن کے خواہش مند ہیں۔ اس موقع پر مسٹر رابن نے اپوزیشن لیکڈ پارٹی کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہا کہ "اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ شام کے ساتھ

حافظ اسد

جولان کو واپس کئے بغیر بھی امن قائم ہو سکتا ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے"۔

دراصل لیکڈ ہی نہیں خود اسحاق رابن اور لیبر پارٹی کے بعض دوسرے رہنماؤں کو بھی یقین تھا یا کم از کم وہ اس کے لئے کوشاں تھے کہ شام سے بھی اسی قسم کا کوئی معاہدہ ہو جائے جیسا کہ اردن کے ساتھ ہوا ہے۔ یعنی نام کے لئے جولان پر شام کا اقتدار اعلی تسلیم کر کے یا تو پورا جولان کا علاقہ یا کم از کم اس خطے کو جہاں اسرائیلی یہودی آباد کر دیے گئے ہیں، اسے لیز پر لے لیا جائے۔ مگر امن مذاکرات کے آغاز ہی سے مبصرین یہ کہتے رہے ہیں کہ شام ایسے کسی معاہدے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ چنانچہ بڑی دیر سے اب اس کڑوے نتیجے پر اسحاق رابن بھی پہنچے ہیں کہ پی ایل او یا اردن کی طرح شام کمزور نہیں ہے جو جھک کر معاہدہ کر لے گا۔ واضح رہے کہ اردن کے مقابلے میں شام کی فوجی طاقت کہیں زیادہ ہے۔

عام خیال یہ ہے کہ جنگ کی صورت میں اسرائیل کا پلہ بھاری ضرور رہتا مگر شام کچھ اس بڑے پیمانے پر تباہی مچانے کی پوزیشن میں آگیا تھا جو اسرائیل برداشت نہ کر پاتا۔ خود اسرائیلی ماہرین کا بھی یہی کہنا تھا۔

غالباً یہی وجہ تھی کہ حافظ اسد بھی کوئی کمزوری دکھائے بغیر اپنے موقف پر اٹل تھے۔ دراصل اسد کی شکل میں اسرائیلیوں کو پہلا ہم پلہ عرب لیڈر ملا تھا۔

چونکہ جولان کی پہاڑیوں سے اسرائیل کی واپسی کوئی آسان کام نہیں ہے، اس لئے شمعون پیریز اور دوسرے اسرائیلی لیڈر مسلسل بیانات دے کر عوام کو ذہنی و نفسیاتی طور پر اس کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ پیریز نے تو وارن کرسٹوفر اور دوسرے امریکی رہنماؤں سے بھی اپیل کی ہے کہ

شمعون پیریز

وہ اس ضمن میں بیانات دے کر اسرائیلی عوام کو جولان سے واپسی کے لئے تیار کریں۔ انہوں نے بجا طور پر کہا کہ امریکیوں کے اس قسم کے بیانات سے انہیں بڑی مدد ملے گی۔

واضح رہے کہ نہ صرف اپوزیشن لیکڈ پارٹی نے بلکہ جولان کے علاقے میں آباد یہودیوں نے بھی اس علاقے کو شام کے حوالے کرنے کی مخالفت کی ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ کام آسان نہ ہوگا۔ اس بار بھی ویسے ہی مناظر دیکھنے کو مل سکتے ہیں جیسا کہ اس وقت ہوا تھا جب سینائی کے علاقے سے وہاں آباد یہودیوں کو اسرائیلی فوج نے زبردستی نکال باہر کیا تھا۔

شمعون پیریز کا کہنا ہے کہ ان کی حکومت نے جولان کے آس پاس کے یہودیوں کو وہاں سے نکال کر دوسرے مقامات پر آباد کرنے کا پروگرام تیار کر لیا ہے اور وہ یہ کام آسانی سے کر لیں گے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اس مسئلے پر شام و اسرائیل کے درمیان مذاکرات جون کے آخر میں شروع ہونے جا رہے ہیں۔ دراصل اب بھی بعض پیچیدہ مسائل حل طلب ہیں۔ مثلاً شام چاہتا ہے کہ اسرائیل یہ علاقہ 18 مہینوں میں خالی کر دے لیکن اسرائیل چار سال کی طویل مہلت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اسی طرح سرحد کا معاملہ بھی ابھی طے نہیں ہے۔ اسرائیل 1923 کی سرحد کو مانتا ہے جبکہ شام کا مطالبہ ہے کہ وہ پورا علاقہ خالی کیا جائے جس پر 1967 میں قبضہ کیا گیا تھا۔ اس صورت میں گیلیلی کے سمندر تک شام کو رسائی مل جائے گی۔ ایک بڑا مسئلہ امن کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان ایک نیوٹرل زون کے قیام کا بھی ہے۔ لیکن اب شام غالباً اس پر راضی ہو گیا ہے کہ یہ نیوٹرل زون اس کی اپنی سرزمین پر بنایا جا سکتا ہے۔ پہلے وہ یہ مطالبہ کر رہا تھا کہ شام و اسرائیل دونوں اس مقصد کے لئے پچاس پچاس فیصد زمین وقف کریں گے۔

شام کے ساتھ امن معاہدے کو شمعون پیریز نے "امن کے لئے آخری جنگ" کا استعارہ استعمال کیا ہے اور یہ امید ظاہر کی ہے کہ اس کے بعد لبنان کے ساتھ بھی جلد ہی معاہدہ ہو جائے گا۔ جہاں حافظ اسد کے اثرات بہت زیادہ ہیں۔

اسرائیل کی اپوزیشن لیکڈ پارٹی

تقسیم کے دہانے پر

اسرائیل کی اپوزیشن پارٹی، لیکڈ کے اندر ایک نئے پارٹی ضابطے کو لے کر شدید اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ دائیں بازو سے تعلق رکھنے والی لیکڈ پارٹی اپنے نظم و ضبط کے لئے مشہور ہے لیکن جب سے بنجامن نیتن یاہو نے اس کی صدارت سنبھالی ہے اس وقت سے نظم شکنی کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ پارٹی کے سینئر لیڈر ڈیوڈ لیوی، جو لیبر پارٹی کی موجودہ حکومت سے قبل لیکڈ حکومت میں وزیر خارجہ تھے یہ محسوس کرتے ہیں کہ پارٹی صدارت کا عہدہ ان سے بڑی چالاکی سے چھین لیا گیا ہے۔ موجودہ اختلافات بھی کچھ اسی قسم کی باتوں کو لے کر پیدا ہوئے ہیں۔

6 جون کو لیکڈ کی مرکزی کمیٹی کی ایک میٹنگ تھی جس میں تقریباً اٹھارہ سو مندوبین شریک تھے۔ پارٹی صدر بنجامن ایک نئے ضابطے کے تحت یہ ضروری قرار دینا چاہتے ہیں کہ پارٹی میں آئندہ صدارتی انتخاب کے علاوہ ایک نیا ابتدائی انتخاب بھی ہوگا۔ ڈیوڈ لیوی کا کہنا ہے کہ اس سے مسٹر بنجامن اور ان کے ہمنواؤں کو ان کے گروپ پر

آج کل اخبارات وغیرہ رائے شماری کے جو نتائج بھی شائع کرتے ہیں ان میں لیکڈ پارٹی کو حکمراں لیبر پارٹی پر فوقیت حاصل رہتی ہے۔ لیکن اگر ڈیوڈ لیوی اپنی دھمکی پر عمل کرتے ہیں اور پارٹی میں تقسیم ہو جاتی ہے تو پھر لیکڈ حکمراں لیبر پارٹی کے مقابلے میں یقیناً کمزور ہو جائے گی۔

فوقیت حاصل ہو جائے گی کیونکہ وہ پارٹی کے عہدوں پر اپنے آدمیوں کو متعین کرنے کے علاوہ صرف انہیں لوگوں کو اب پارٹی ممبر بنائیں گے جو ان کے وفادار ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر ڈیوڈ لیوی نے دھمکی دی تھی کہ اگر 6 جون کو یہ ضابطہ بنایا گیا تو وہ اپنے گروپ سمیت پارٹی سے استعفا دے دیں گے۔ لیکن اس دھمکی کے باوجود بنجامن نے سنٹرل کمیٹی کے اجلاس میں نئے ضابطے کے لئے ایک قرارداد پیش کر دی جسے 1800 مندوبین میں سے 60 فیصد نے اکثریت سے پاس کر دیا۔

اس قانون کے بن جانے کے بعد ڈیوڈ لیوی نے کہا کہ انہیں مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ پارٹی چھوڑ دیں۔ ڈیوڈ لیوی نے 18 جون کو اپنے حامیوں کی ایک میٹنگ بلوائی ہے جس میں بہت ممکن ہے کہ وہ پارٹی سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ لے لیں۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو لیکڈ پارٹی کو آئندہ سال کے انتخابات جیتنا مشکل ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ آج کل اخبارات وغیرہ رائے شماری کے جو نتائج بھی شائع کرتے ہیں ان میں لیکڈ پارٹی کو حکمراں لیبر پارٹی پر فوقیت حاصل رہتی ہے۔ لیکن اگر ڈیوڈ لیوی اپنی دھمکی پر عمل کرتے ہیں اور پارٹی میں تقسیم ہو جاتی ہے تو پھر لیکڈ حکمراں لیبر پارٹی کے مقابلے میں یقیناً کمزور ہو جائے گی۔

جدہ میں افغان مجاہدین کی کانفرنس

کیا متحارب لیڈران افغانستان کی تباہی سے کوئی سبق لیں گے؟

بعض ذرائع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ سعودی عرب افغان مجاہدین کے مختلف گروہوں کے درمیان سمجھوتہ کرانے کے لئے ان کی ایک کانفرنس جدہ میں کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس خبر کی اشاعت کے بعد مبصرین نے بجا طور پر دو نتیجے نکالے ہیں۔ اول یہ کہ اقوام متحدہ کا امن فارمولا ناکام ہوچکا ہے اور دوم یہ کہ امریکہ و روس یا تو مسئلے سے بالکل دلچسپی نہیں رکھتے یا اسے حل کرنے کے لئے ان کے پاس قوت فیصلہ کی کمی ہے۔

دو جون کو سعودی خفیہ ایجنسی کے سربراہ ترکی الفیصل کی گلبدین حکمت یار سے جلال آباد میں ملاقات ہوئی جس کے بعد آخر الذکر نے یہ بیان دیا کہ سعودی عرب مختلف افغان لیڈروں کی جدہ میں ایک کانفرنس کرنا چاہتا ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ اس وقت سعودی عرب ہی واحد ملک ہے جس پر تمام افغان لیڈروں کو اعتماد ہے۔

دسمبر 1979ء میں روسی فوجوں نے افغانستان پر چڑھائی کردی تھی۔ اس کے بعد ہی سے ایران پاکستان اور سعودی عرب تینوں ہی افغانستان کے مسئلے سے متعلق رہے ہیں۔ ایران و پاکستان کی تو افغانستان کے ساتھ طویل سرحد ملتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان دونوں ملکوں میں بے شمار پناہ گزیں آج بھی پائے جاتے ہیں۔ ان دونوں ہی ممالک نے کھل کر افغان مجاہدین کی مالی و اخلاقی اور فوجی مدد بھی کی لیکن انہیں کبھی بھی تمام افغان گروپوں کا اعتماد حاصل نہیں تھا۔ ان کے مقابلے میں سعودی عرب نے افغان مجاہدین کی دل کھول کر مالی مدد کی لیکن کبھی خود ان سے کوئی مطالبہ نہیں کیا اور نہ ہی ان کی اندرونی سیاست میں کبھی دخل اندازی کی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تقریبا تمام ہی اہم گروپ اس پر اعتماد کرتے ہیں۔

1980ء سے 1989ء تک جب تک روسی فوجیں افغانستان میں موجود رہیں اس وقت تک مختلف افغان دھڑوں کے اختلافات دبے ہوئے تھے۔ انہیں متحد رکھنے اور روسیوں کے خلاف لڑنے کے لئے امریکہ نے اندازاً 20 بلین ڈالر خرچ کئے اور غالباً سعودی عرب نے بھی اتنا ہی خرچ کیا۔

افغان مجاہدین کب تک لڑتے رہیں گے

لیکن فروری 1989ء میں روسیوں کے افغانستان سے نکل جانے کے بعد کابل حکومت گر نہیں گئی۔ نجیب اللہ کی حکومت اپریل 1992ء تک قائم رہی۔

لیکن نجیب اللہ کے زوال کے بعد افغان مجاہدین کے مختلف دھڑے آپس ہی میں لڑ پڑے۔ برہان الدین ربانی، حکمت یار اور رشید دوستم افغانستان کے کئی کئی صوبوں پر قابض ہوگئے اور من مانی کرنے لگے۔ بالآخر ایک سمجھوتے کے مطابق طے پایا کہ Rotation کی بنیاد پر برہان الدین ربانی صدر، حکمت یار وزیر اعظم اور احمد شاہ مسعود وزیر دفاع ہوں گے۔ چونکہ احمد شاہ مسعود برہان الدین کے گروپ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے حکمت یار نے ان پر کبھی اعتماد نہیں کیا، وہ وزیر اعظم ہوتے ہوئے بھی کبھی کابل میں داخل نہیں ہوئے۔ اکثر حکمت یار اور ربانی کی فوجوں میں بھیانک لڑائیاں بھی ہوئیں۔

لیکن کوئی سال بھر قبل افغانستان کے منظر پر دینیات کے طالب علموں کا "طالبان فوج" کی شکل میں ظہور ہوا جن کی اکثریت پختون ہے۔ انہوں نے اس مقصد سے افغانستان میں مسلح جدوجہد شروع کردی کہ سب کو ہٹاکر وہ نئے انتخاب کے ذریعے ایک اسلامی حکومت قائم کریں گے۔ چونکہ پختون حکمت یار پختونوں سے لڑنا نہیں چاہتے تھے اس لئے طالبان کو زبردست کامیابیاں ملیں، لیکن جب انہوں نے کابل پر چڑھائی کی تو سرکاری فوجوں نے انہیں زبردست شکست دی۔ اس کے بعد برہان الدین ربانی نے اپنے عہدے سے معاہدے کے برعکس ہٹنے سے انکار کردیا۔ اگرچہ کابل پر اس وقت ان کا قبضہ تقریبا مکمل ہے لیکن مرکزی حکومت نام کی اب بھی کوئی چیز نہیں ہے جو سعودی عرب جیسے خیر خواہ ممالک کے لئے پریشان کن ہے، اور غالباً اسی جذبے سے سعودی عرب مختلف گروپوں میں ایک بار پھر کوئی معاہدہ کرانے کی فکر میں ہے۔

برطانوی حکومت کی دوغلی پالیسی طشت ازبام

ایک بار پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ کی دوغلی پالیسی طشت ازبام ہونے والی ہے۔ میجر حکومت ہی کی قائم کردہ ایک عدالتی کمیٹی کے پہلے ڈرافٹ میں حکومت کو غلط اور غیر قانونی طریقے سے ہتھیار بیچنے کا مجرم قرار دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ عراق۔ ایران جنگ کے دوران برطانیہ کی پالیسی یہ تھی کہ دونوں ملکوں کو ہتھیار سپلائی نہ کیا جائے۔ لیکن گذشتہ دنوں اپوزیشن پارٹیوں نے حکومت پر الزام لگایا تھا کہ 1980ء کی دہائی میں برطانیہ عراق کو غیر قانونی طور پر ہتھیار بیچتا رہا تھا۔

اس الزام کے بعد برطانوی وزیر اعظم جان میجر نے ایک جج سر رچرڈ اسکاٹ کو سارے معاملے کی تفصیلی تفتیش کی ذمہ داری سونپی تھی۔ سر اسکاٹ کو اب تک یہ رپورٹ جمع کردینی چاہئے تھی لیکن ایسا وہ موسم خزاں سے قبل نہیں کرپائیں گے۔ تب تک رپورٹ ایک سال لیٹ ہوچکی ہوگی۔ اپوزیشن کا الزام ہے کہ حکومت کے ذمہ داران اور افسران تفتیش میں رکاوٹ ڈالتے رہے ہیں جس کی وجہ سے جج موصوف وقت پر اپنی رپورٹ جمع نہیں کرپائے۔

سر اسکاٹ نے اپنی تفتیش تقریبا مکمل کرلی ہے اور رپورٹ کا پہلا ڈرافٹ بھی تیار ہے۔ بی بی سی کو کسی طرح اس رپورٹ کی ایک کاپی حاصل ہوگئی ہے۔ اس رپورٹ میں تفتیشی جج نے میجر حکومت کے وزیر زراعت ولیم والڈ گریو کو اس بات کا مجرم ٹھہرایا ہے کہ انہوں نے بحیثیت جونیر وزیر خارجہ کے پارلیامنٹ کو غلط اطلاعات فراہم کی تھیں اور یہ کہ جان میجر نے "غیر صحیح خطوط" پر دستخط کئے تھے۔ واضح رہے کہ عراق کو ہتھیاروں کی غیر قانونی فروخت کے وقت والڈ گریو وزارت خارجہ میں جونیر منسٹر تھے۔

Independent اخبار میں شائع ایک رپورٹ کے مطابق مسز تھیچر نے بھی اپنے بعض بیانات اور خطوط سے اس مجرمانہ فروخت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔

مبصرین کا خیال ہے کہ اگر سر اسکاٹ کی آخری اور حتمی رپورٹ میں بھی وزیر اعظم اور ان کے وزیر زراعت کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے تو پھر جان میجر کی پہلے ہی سے انتہائی غیر مقبول حکومت خطرے میں پڑجائے گی۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ حال ہی میں میجر حکومت کے کئی وزراء مالی یا جنسی اسکینڈل میں ملوث پائے گئے ہیں۔ خود جان میجر کو اندازہ ہے کہ اس نازک موڑ پر جج کی حتمی رپورٹ میں ان کے خلاف جرم کی بات ان کے لئے خطرناک ثابت ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے اور ان کے حامی افسران نے ابھی سے ایسے بیانات دینے شروع کردیئے ہیں جن سے یا تو اس جرم کی سنگینی کو کم کیا جاسکے یا پھر جج موصوف پر بالواسطہ دباؤ ڈال کر انہیں اپنی حتمی رپورٹ میں ایسا کوئی ریمارک پاس کرنے سے باز رکھا جائے۔ جان میجر نے رپورٹ کو بی بی سی کو چپکے سے دیئے جانے کو قابل نفرت بتاتے ہوئے اپنے وزیر زراعت کا جم کر دفاع کیا ہے

لیکن ڈیلی ٹیلی گراف نے ایک اداریے میں لکھا ہے کہ اگر سر اسکاٹ کی آخری رپورٹ میں بھی وزیر زراعت کے خلاف یہ ریمارکس باقی رہتے ہیں تو پھر حکومت کے وجود پر سوالیہ نشان لگ جائے گا۔ لیبر پارٹی کے خارجہ امور کے ترجمان کا بھی کہنا ہے کہ ایسے کسی جرم کے ثابت ہونے کے بعد والڈ گریو کے لئے استعفانہ دینا مشکل ہوجائے گا۔

ادھر خود ولیم والڈ گریو نے ڈرافٹ رپورٹ پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس تنقید کو مکمل طور سے رد کرتے ہیں۔ انہوں نے اس اعتماد کا بھی اظہار کیا کہ وہ سر اسکاٹ کو اس بات پر راضی کرنے کی کوشش کریں گے کہ ان پر کی گئی تنقید غلط ہے اور اسے ان کی آخری و حتمی رپورٹ میں شائع نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ سر اسکاٹ پر ان باتوں کا اثر ہوگا یا نہیں۔

بقیہ: وزیر اعظم بھاگنے پر مجبور

کہنا ہے کہ 1991ء سے لے کر آج تک وزیر اعظم نے آٹھ بار نانڈیال کا دورہ کیا ہے جن پر کل دو کروڑ کے اخراجات آئے ہیں۔ اگر میونسپلٹی کو سولہ کروڑ روپے بطور قرض دے دیئے جاتے تو یہاں بہت سارا کام ہوگیا ہوتا۔ محمد فاروق کہتے ہیں کہ اگر وزیر اعظم دوبارہ اس حلقے سے الیکشن لڑتے ہیں تو انہیں تلگو دیشم امیدوار سے سخت مقابلہ کرنا پڑے گا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ راؤ نانڈیال یا رام ٹیک کہیں سے بھی لڑتے ہیں تو نیشنل فرنٹ ان کے سامنے ایک مضبوط امیدوار کھڑا کرے گا۔

تین دہائیوں سے نانڈیال پارلیمانی حلقہ وی وی آئی پی یعنی انتہائی اہم شخصیات کا حلقہ بنا ہوا ہے۔ سابق صدر جمہوریہ نیلم سنجیوا ریڈی بھی یہاں کے نمائندے رہ چکے ہیں لیکن یہاں کے باشندوں کو اس بات کی شکایت ہے کہ کسی نے بھی یہاں کوئی کام نہیں کیا۔ انہیں نرسمہا راؤ سے کچھ امید تھی لیکن انہوں نے بھی اپنے عوام کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ لہذا نانڈیال کے رائے دہندگان کا کہنا ہے کہ ہمیں اب کوئی اہم نمائندہ نہیں بلکہ کوئی عام سا نمائندہ چاہئے۔ جس سے ہم مل سکیں۔ اپنے مسائل بتا سکیں اور زور دباؤ ڈال کر اس سے اپنا کام کرواسکیں۔ ہمیں اب نرسمہا راؤ جیسا نمائندہ نہیں چاہئے جس سے ہم مل ہی نہ سکیں۔

دیکھا جائے تو راؤ کی پوزیشن اتنی خراب نہیں ہوتی اگر انہوں نے مسلمانوں کو ساتھ لے کر چلنے کی کوشش کی ہوتی۔ اپنے حلقے میں خواہ وہ کچھ نہ کرتے لیکن اگر ملک کے مسلمانوں کے ساتھ غداری نہ کرتے اور خاص طور پر بابری مسجد کو شہید کروانے میں ان کا کوئی رول نہ ہوتا تو نانڈیال کے ڈھائی لاکھ مسلمان انہیں چھوڑ کر کہیں اور نہیں جاتے۔ لیکن ان کی پیشانی پر لگے ہوئے بابری مسجد کی شہادت کے کلنک نے انہیں اس لائق نہیں چھوڑا کہ وہ مسلم رائے دہندگان کے سامنے جائیں اور ووٹ کی بھیک مانگ سکیں۔

ایران عراق اور لیبیا کے خلاف

اقوام متحدہ کی معاشی پابندیاں کتنی کامیاب کتنی ناکام

ایران کے خلاف صدر بل کلنٹن نے یہودیوں کو خوش کرنے کے لئے معاشی پابندی لگا دی ہے جسے وہاں کے بعض وہ "دانشور" قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں جو غیر یہودی گروپوں کے مفادات سے وابستہ ہیں۔ چنانچہ امریکہ کے بعض حلقوں میں ایسی آوازیں اٹھنے لگی ہیں کہ اقوام متحدہ یا امریکہ کے ذریعہ عائد کردہ مختلف نوعیت کی پابندیوں کا متعلقہ ملک پر کیا اثر پڑ رہا ہے۔ 1990ء میں واشنگٹن میں واقع ادارہ برائے بین الاقوامی معاشیات نے ایک مطالعے کا اہتمام کیا تھا جس سے یہ پتہ چلا کہ جنگ عظیم اول کے بعد سے اس قسم کی پابندیاں اکثر معاملات میں ناکام رہی ہیں۔

مذکورہ بالا پس منظر میں اب بہت سے امریکی عراق، لیبیا اور ایران کے خلاف عائد پابندیوں کے خلاف آواز اٹھانے لگے ہیں۔ امریکیوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اب پابندیوں جیسے اقدامات کو غیر موثر کہنے لگے ہیں۔

تقریبا پانچ سال قبل اقوام متحدہ نے عراق کے خلاف معاشی پابندی عائد کی تھی جس کے نتیجہ میں آج عراق معاشی بدحالی کی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ اس معاشی خرابی کا سب سے زیادہ اثر غریب عوام پر پڑا ہے نہ کہ صدام حسین اور دوسرے اہم عہدیداران پر۔ چنانچہ اب صدام حسین کے مخالف عراقی بھی کہنے لگے ہیں کہ یہ معاشی پابندی اخلاقی طور پر ناقابل قبول اور سیاسی طور پر غیر ذمہ دارانہ ہے کیونکہ اس سے صرف عراقی عوام کا نقصان ہوا ہے۔ ایک صدام مخالف عراقی نے تو برملا کہا کہ "سادہ الفاظ میں معاشی پابندی وہ مستقل سزا ہے جو

بل کلنٹن

کسی قوم کو اس طرح دی جاتی ہے کہ اس سے تجارت بند کردی جاتی ہے، اس کے اثاثوں کو منجمد کردیا جاتا ہے اور اس کی امداد روک دی جاتی ہے تاکہ یہ قوم وہ کام کرے جو دوسری قوم یا قومیں چاہتی ہیں"۔ گویا عراق پر پابندی کا مقصد عراقی عوام کو وہ کام کرنے پر مجبور کرنا ہے جو امریکہ چاہتا ہے۔ ظاہر ہے اس سے صرف عراقی عوام کے مسائل میں اضافہ ہوا ہے۔ چنانچہ اب صدام کے مخالف عراقی بھی چاہتے ہیں کہ یہ معاشی پابندیاں اٹھالی جائیں۔

صرف صدام مخالف عراقی اپوزیشن ہی نہیں بلکہ امریکہ و برطانیہ کے علاوہ تقریبا تمام ہی اہم ممالک خاص طور سے روس اور فرانس چاہتے ہیں کہ یہ پابندیاں ہٹالی جائیں۔ مگر امریکیوں کی دلیل ہے کہ یہ پابندیاں کارگر ہیں۔ کہنے کو امریکہ یہ چاہتا ہے کہ عراق نہ صرف اپنے کیمیائی، نیوکلیر اور جراثیمی ہتھیاروں کو ختم کرے بلکہ حقوق انسانی میں بہتری لانے کے ساتھ وہ ہتھیار بھی کویت کو واپس کرے جو اس نے 1990ء میں کویت پر قبضہ کے دوران لوٹ لئے تھے۔ لیکن اب ہر کسی کو یقین ہو چلا ہے کہ امریکہ کی خواہش دراصل صدام حکومت کو گرانا ہے۔

لیکن کیا معاشی پابندیوں سے صدام کی حکومت پر گرفت کمزور پڑ رہی ہے؟ 1994ء میں شائع اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق صدام حسین، حکمراں طبقہ اور فوج پر اس پابندی کا کوئی اثر نہیں پڑا ہے۔ ان کے لئے کاریں اور کمپیوٹر اردن سے آتے ہیں اور ان سامانوں کے خریدنے کے لئے پیسہ ترکی کو تیل بیچ کر یا ایران کو کھجوریں
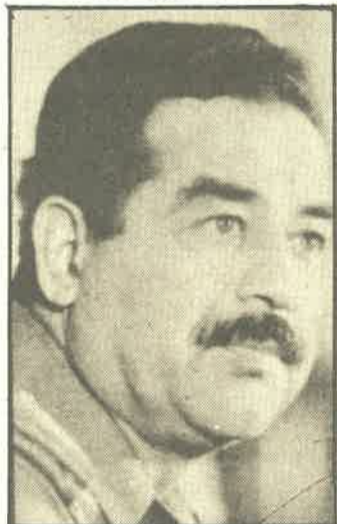
صدام حسین

برآمد کرکے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس عراقی عوام پر سے قیامت سی گزر گئی ہے۔ لاکھوں لوگ بغداد میں بے گھر اور بے روزگار ہوکر خوبصورت وسیع سڑکوں کے کنارے بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ پھر ان میں سے اکثریت صدام سے ناراض ہونے کے بجائے امریکہ سے خفا ہے کیونکہ ان کے خیال میں ان کی پریشانیوں کی اصل وجہ امریکہ کی ہٹ دھرمی ہے۔ گویا پابندیوں نے صرف عراق کو کنگال اور بدحال بنایا ہے جس کا خمیازہ وہاں کے غریب عوام بھگت رہے ہیں۔

1988ء میں برطانیہ کے مقام لاکربی کے قریب پین ایم کا ایک مسافر بردار طیارہ دھماکے سے اڑ گیا تھا جس میں بہت سے لوگوں کی جانیں گئی تھیں۔ واقعے کے کئی سال بعد امریکہ نے لیبیا پر الزام لگایا کہ یہ دھماکہ اس کی خفیہ پولیس کے دو افسران نے کیا تھا اور مطالبہ کیا کہ انہیں یا تو امریکہ یا برطانیہ کے حوالے کردیا جائے تاکہ ان سے تفتیش کی جاسکے۔ لیبیا نے امریکہ و برطانیہ کے حوالے کرنے کے بجائے کسی تیسرے یوروپی ملک کے حوالے کرنے کی پیش کش کی مگر امریکہ و برطانیہ نے اسے ٹھکرادیا اور اقوام متحدہ پر دباؤ ڈال کر لیبیا کے خلاف فضائی پابندی عائد کرنے کے علاوہ اس کے ہاتھوں ہتھیار بیچنے پر بھی پابندی عائد کردی۔ امریکہ و برطانیہ کا مقصد یہاں بھی کرنل معمر قذافی سے نجات حاصل کرنا ہے۔ مگر سالوں گزر جانے کے بعد بھی انہیں اپنے مقصد میں کامیابی ملتی نظر نہیں آتی۔

ہاشمی رفسنجانی

ادھر امریکہ نے ایران کے خلاف یک طرفہ پابندیاں عائد کردی ہیں جس کے بارے میں خود بہت سے امریکیوں کو شبہ ہے کہ ان کا حشر لیبیا و عراق کے خلاف عائد پابندیوں سے بھی برا ہونے والا ہے۔

جو لوگ معاشی اور دوسری نوعیت کی پابندیوں کے قائل ہیں وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ نیپال کے خلاف ہندوستان کی عائد کردہ پابندی کامیاب رہی تھی کیونکہ اس کے بعد نیپال نے اپنی چین نوازی ترک کردی تھی۔ لیکن ایسی پابندیوں کی ناکامی کی مثالیں زیادہ ہیں۔ مثلا ہیتی کے خلاف عائد امریکی پابندیاں بے ضرر ثابت ہوئیں کیونکہ یہ جنرل راؤل سیدرا کو ہٹانے میں ناکام رہی تھیں۔ بالآخر یہ کام اس وقت انجام پایا جب امریکی فوجیں ہیتی کے صدارتی محل پر حملہ کرنے والی تھیں۔ اس طرح خلاصتاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسی معاشی و غیر معاشی پابندیوں سے عوام کا نقصان زیادہ ہوتا ہے نہ کہ حکمراں جماعت سے تعلق رکھنے والے افراد کا۔

•

سلمان رشدی کے معاملے پر ایران اور یوروپ میں ڈپلومیٹک کھیل

ایسا لگتا ہے کہ ایران اور یوروپی یونین کے ممبر ممالک سلمان رشدی کے مسئلے پر کسی سمجھوتے کے قریب آگئے ہیں۔ دراصل دونوں ہی پارٹیاں اس ضمن میں اپنے اختلافات ختم کرکے تعلقات دوبارہ بحال کرنے کی فکر میں ہیں۔ ایران امریکہ کے ذریعہ معاشی پابندی کے عائد کئے جانے کے بعد عالمی برادری میں تنہا رہ جانے کے خلاف یوروپ کا تعاون چاہتا ہے تو یوروپی ممالک ایران کی تعمیر نو میں شامل ہوکر معاشی فائدہ اٹھانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

پچھلے دنوں ایران کے یوروپ میں موجود سفارتکاروں اور یوروپی یونین کے ذمہ داروں کے درمیان خفیہ مذاکرات کے بعد تہران نے کچھ اس طرح کے بیانات دیے تھے کہ وہ سلمان رشدی کے قتل کے لئے کوئی خفیہ دستہ نہیں روانہ کرے گا۔ اس ضمن میں پہلے ایک ایرانی سفارت کار نے

بیان دیا تھا۔ اس کے بعد اب یوروپی یونین نے ایران سے درخواست کی ہے کہ باقاعدہ ایرانی حکومت اسی مضمون کا بیان دے دے تو تعلقات نارمل بنانے میں بڑی آسانی ہوگی۔ گذشتہ ہفتہ ایرانی وزیر خارجہ نے بھی یہ بیان دیا تھا کہ ایران نے سلمان رشدی کے قتل کے لئے کوئی خصوصی دستہ نہ ماضی میں روانہ کیا تھا اور نہ آئندہ ایسا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

دراصل ایران ڈپلومیسی کی زبان میں کھیل کھیل رہا ہے جسے خود یوروپی ممالک بھی سمجھتے ہیں کہ وہ اس کھیل کو مدتوں سے کھیلتے رہے ہیں۔ تہران کا کہنا ہے کہ آیت اللہ روح اللہ خمینی کے فتوے کو بدلنا تو ان کے لئے ممکن نہیں ہے لیکن موجودہ حکومت خود کو اس سے دور کرسکتی ہے۔ اب یوروپی ممالک یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ اگر ایرانی حکومت باقاعدہ سرکاری طور پر اعلان کردے تو ان کے لئے بڑی آسانی ہوجائے گی۔ آثار بتا رہے ہیں کہ تہران، بعض اسلام پسند حلقوں کی مخالفت کے باوجود، اس طرح کا وعدہ کرلے گا۔

ایران کی یوروپی ممالک سے تعلقات بحال کرنے کی کوشش کی اندرونی ملک بڑی مخالفت ہوئی۔ خاص طور سے رفسنجانی کے مخالفین نے بڑا واویلا مچایا کہ امام خمینی کے فتوے کو کس طرح بدلا جاسکتا ہے۔ لیکن بالآخر زیادہ تر لوگوں کی رائے یہی بنی کہ ایران کو معاشی طور پر اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے لئے یوروپ کا تعاون لینا ضروری ہے جو سلمان رشدی کے معاملے میں کسی سمجھوتے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یوروپی ممالک کو امید ہے کہ 22 جون تک انہیں تہران سے کوئی حوصلہ افزا مثبت جواب مل جائے گا۔

•

مہاراشٹر حکومت مسلمانوں کی دینی شناخت ختم کردینا چاہتی ہے؟

مہاراشٹر کی شیو سینا بی جے پی حکومت پر مسلمانوں پھر مہربان ہوگئی ہے۔ وہ انہیں ”قومی دھارا“ میں شامل کرنے کے لئے بے چین ہے اور اس کے لئے اس نے یکساں سول کوڈ کے نفاذ اور ریاستی اقلیتی کمیشن کو ختم کرنے کا اعلان کردیا ہے۔ اس نئی حکومت کی مسلمانوں پر یہ تیسری یلغار ہے۔ پہلے بال ٹھاکرے نے ”بنگلہ دیشی“ مسلمانوں کی آڑ میں پورے مسلم فرقہ کو نیست و نابود کردینے کی دھمکی دی پھر وزیراعلیٰ منوہر جوشی نے یکساں سول کوڈ نافذ کرکے تمام شہریوں کو ایک نظر سے دیکھنے کا اعلان کیا اور پھر لگے ہاتھوں اقلیتی کمیشن پر بھی تلوار مار دی گئی۔

مہاراشٹر حکومت کے ان اعلانات و اقدامات سے ریاستی مسلمانوں کو یہ خدشہ لاحق ہوگیا ہے کہ شیو سینا مسلمانوں کی دینی شناخت اور ان کے مذہبی تشخص کو ختم کردینا چاہتی ہے۔ بظاہر عام مسلمانوں نے موخرالذکر دونوں اقدام پر کسی شدید ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا ہے لیکن اندر ہی اندر ان میں بے چینی کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہورہے ہیں کہ اس حکومت میں بھی انہیں انہی چیلنجوں کا سامنا ہے جن کا سابقہ حکومتوں میں تھا۔

اس وقت قومی اقلیتی کمیشن کے علاوہ چھ ریاستوں میں اقلیتی کمیشن قائم ہیں جو اقلیتوں کے مسائل کو حل کرنے اور ان کی فلاح و بہبود کا بظاہر کام کررہے ہیں۔ اب ان میں سے مہاراشٹرا اقلیتی کمیشن کا خاتمہ ہوچکا ہے بقیہ جن ریاستوں میں یہ کمیشن قائم ہیں وہ ہیں اترپردیش، آندھرا پردیش، آسام، گجرات اور ہریانہ۔ مہاراشٹرا اقلیتی کمیشن کا قیام 1992ء میں ہوا تھا اور گذشتہ مارچ میں اس کی مدت ختم ہوگئی تھی۔ لیکن نئی حکومت نے اس میں توسیع کرنے کے برعکس قدم اٹھالیا۔ اقلیتی کمیشن کو ختم کردینے کے اعلان پر مسلمانوں نے شاید اس بنا پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا کہ مذکورہ کمیشن کی سرے سے ہی کوئی افادیت نہیں تھی۔

بال ٹھاکرے شیر کے ایک بچے کو پیار کرتے ہوئے۔ انسیٹ میں منوہر جوشی

پوار حکومت نے اس کا قیام تو کردیا تھا لیکن محدود میدان عمل، سرمایہ کی عدم فراہمی اور محدود اختیارات وغیرہ کے سبب اقلیتی کمیشن دانت اور ناخن سے محروم شیر کی حیثیت رکھتا تھا۔ اپنی تین سالہ مدت کارکردگی کے دوران اس نے صرف پوسٹ باکس کا رول ادا کیا۔ بابری مسجد کی شہادت پر مذمتی بیانات اور دو رپورٹیں پیش کرنے کے علاوہ اس نے کوئی کام نہیں کیا۔ رپورٹیں بھی متعلقہ محکموں میں گرد کھا رہی ہیں۔

کمیشن کے چیئرمین اور سابق کانگریسی وزیر حسین دلوائی نے اپنی دوسری رپورٹ میں شکایت کی تھی کہ چونکہ ریاستی اقلیتی کمیشن کو اقتصادی اور آئینی اختیارات حاصل نہیں ہیں اس لئے وہ اپنا کام ٹھیک ڈھنگ سے نہیں کرپارہا ہے۔ اسے ایک محدود بجٹ تو دیا گیا ہے لیکن وہ اسے خرچ کرنے میں بااختیار نہیں ہے۔ اسے کسی بھی مد میں پیسہ خرچ کرنے کے لئے حکومت سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ نیشنل کمیشن فار مائنارٹیز ایکٹ کے مطابق نیشنل اقلیتی کمیشن کو آئینی اختیارات حاصل ہیں لیکن ریاستی حکومت نے اس ایکٹ پر عمل نہیں کیا۔ اسے اس تناظر میں قدم اٹھانا چاہئے۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ فسادات اور بم دھماکے کے سلسلے میں کمیشن کو 301 شکایتیں موصول ہوئی تھیں جن میں سے 252 شکایتوں پر کارروائی کرنے کے لئے متعلقہ محکموں کو حکم دے دیا گیا تھا

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کمیشن اپنی نااہلی کا خود ذمہ دار ہے۔ بلکہ اس کی ذمہ داری سابق کانگریسی حکومت کے سر عائد ہوتی ہے۔ اگر اس حکومت نے کمیشن کی شکایات پر کان دھرا ہوتا اور اس کے مطالبات کو تسلیم کیا ہوتا تو ممکن ہے کہ کمیشن قابل ذکر خدمت انجام دیتا۔ اور مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے مسائل کو حل کرنے کی سمت میں کوئی اہم قدم اٹھایا جاتا۔ آج مہاراشٹر کے مسلمان کمیشن کی ناکارکردگی کے سبب خاموش ہیں لیکن اس کے کام کرنے کی صورت میں وہ موجودہ حکومت کے مذکورہ قدم پر سخت احتجاج بھی کرتے۔ نیشنل اقلیتی کمیشن کے چیئرمین جسٹس سردار علی خاں نے جوشی حکومت کے اس اعلان کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ قدم انتہائی بدبختانہ ہے اور حکومت کی دلیل بودی اور لچر ہے۔ اس قسم کے کمیشن کی سخت ضرورت ہے کیونکہ ملک میں شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کمیشن بھی ہے تو پھر اقلیتی کمیشن کیوں نہیں رہ سکتا۔ منوہر جوشی کے اس بیان پر کہ اقلیتی کمیشن کے قیام سے اکثریت اور اقلیت میں امتیاز پیدا ہوتا ہے، ردعمل ظاہر کرتے ہوئے ان کا کہنا ہے کہ آئین تمام ہندوستانیوں کو شہری حقوق اور اسی طرح انسانی حقوق کے تحفظ کی گارنٹی دیتا ہے اس کے باوجود حکومت نے قومی سطح پر انسانی حقوق کمیشن قائم کیا ہے، ایسی صورت میں اقلیتی کمیشن کا وجود غلط کیسے ہوسکتا ہے۔

ادھر یکساں سول کوڈ کے نفاذ پر منوہر جوشی کہتے ہیں کہ ہم نے اس سلسلے میں چیف سکریٹری، ایڈوکیٹ جنرل اور دوسرے قانونی ماہرین کے پاس خط لکھ کر مشورہ طلب کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم یکساں سول کوڈ اس لئے نافذ کرنا چاہتے ہیں تاکہ تمام شہریوں میں قومیت کا جذبہ پیدا ہو اور وہ یہ محسوس کریں کہ قانون سب کے لئے برابر ہے۔ انہوں نے حال ہی میں دیے جانے والے سپریم کورٹ کے اس فیصلے کا حوالہ دیا ہے جس میں جسٹس کلدیپ سنگھ نے یکساں سول کوڈ نافذ کرنے پر زور دیا ہے۔ جوشی جی یہ بھی کہتے ہیں کہ عدالت کے احترام میں ہم ایسا ضرور کریں گے۔ حالانکہ یہی شیو سینا ہے جس نے متعدد بار عدالتی احکامات کی دھجیاں اڑاکر اس کے حرمت و وقار کو خاک میں ملایا ہے۔

بہرحال جوشی حکومت دھیرے دھیرے اپنا رنگ دکھارہی ہے۔ اب تک کے اس کے بیشتر اقدامات مسلم مخالف ہی ثابت ہوئے ہیں۔ سوائے ایک بیان کے جس میں وزیراعلیٰ نے مسجدوں کو کثیرالمنزلہ بنانے کی پیش کش پر غور کرنے کی بات کہی تھی۔ ممکن ہے وہ بیان محض سیاسی رہا ہو۔ دیکھنا یہ ہے کہ وزیراعلیٰ یکساں سول کوڈ پر قانونی ماہرین کے مشورے کے بعد کیا اقدامات کرتے ہیں۔ •

تسلیمہ نسرین پر ٹی وی سیریل کیا گل کھلائے گا؟

آج کل سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین دونوں اخبارات کی سرخیوں میں ہیں۔ سلمان رشدی ایران کے حوالے سے اور تسلیمہ نسرین اپنی مبینہ شادی اور ان پر بننے والے ٹی وی سیریل کے حوالے سے۔ مغربی ممالک جو ایران سے تجارتی تعلقات استوار کرنا چاہتے ہیں کی خواہش ہے کہ ایران سلمان رشدی کو معاف کردے اور ایران نے بھی رشدی کے تعلق سے لچکدار رویہ اختیار کرلیا ہے۔ لیکن تسلیمہ نسرین کے متعلق ابھی ایسی پیش کش نہیں ہوئی ہے۔ البتہ گذشتہ دنوں اس خبر نے اخبارات کے کالموں میں سنسنی ضرور پھیلا دی تھی کہ تسلیمہ نے اپنے ہی ملک کے ایک ترقی پسند شاعر داؤد حیدر سے شادی کرلی ہے۔ واضح ہو کہ داؤد حیدر بھی 1974ء سے جرمنی میں خود اختیار کردہ جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن چند دنوں کے بعد ہی تسلیمہ نے اس خبر کی تردید کردی اور کہا کہ میں نے نہ تو داؤد حیدر کو کبھی دیکھا ہے، نہ ان سے ملی ہوں اور نہ ہی انہیں جانتی ہوں۔ میری شادی کی خبر بے بنیاد ہے۔

مغربی اخبارات تسلیمہ نسرین کے بیانات کی اشاعت اور ان کی پریس کانفرنسوں کی رپورٹنگ اکثر و بیشتر کرتے رہتے ہیں اور اس میں اپنی اسلام دشمنی کا مظاہرہ بھی خوب کرتے ہیں۔ ان سے شہ پاکر تسلیمہ بھی دل کی بھڑاس نکال لیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ میں اسلامی بنیاد پرستوں سے خائف نہیں ہوں میں خواتین کے حقوق کے لئے لڑتی رہوں گی۔ لیکن ان میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ بنگلہ دیش آنے کی بات کریں۔ وہ کہتی ہیں کہ میں اپنے مشن کے لئے اپنے ملک، اپنے اہل خانہ، اپنے دوستوں اور اپنے رشتے داروں کی قربانی دے سکتی ہوں تاکہ میں اپنی جدوجہد جاری رکھ سکوں۔

ممکن ہے آگے چل کر ان کی اکڑفوں ختم ہوجائے اور وہ بھی سلمان رشدی کی مانند اپنی زبان پر قابو پانا سیکھ لیں۔ فی الحال قارئین کی دلچسپی کے لئے ایک خبر یہ ہے کہ تسلیمہ نسرین پر ایک ٹی وی سیریل بننے جارہا ہے۔ سیریل کا نام ”فلک“ ہے۔ فلک کا رول تسلیمہ کی زندگی پر مبنی ہے اور یہ کردار فلمی ہیروئن ورشا اسگاؤنکر کررہی ہے۔ 52 قسطوں والے اس سیریل کے پروڈیوسر کا نام ہارون صدیقی ہے۔ وہ یہ سیریل بناکر ”زی ٹی وی“ کو فروخت کرنا چاہتے ہیں۔

ورشا اسگاؤنکر

تسلیمہ نسرین

کہانی میں فلک ایک ماڈرن اور منہ پھٹ لڑکی ہوتی ہے۔ اس کی ماں بھی ماڈرن ہوتی ہے اور بھائی خاندانی عیاش ہوتا ہے۔ وہ ایک ماڈرن شاعر سے شادی کرلیتی ہے لیکن دونوں کے تعلقات خراب ہوجاتے ہیں اور فلک اپنے شوہر کو طلاق دے دیتی ہے۔ اس کے بعد وہ خواتین کی ایک تنظیم بناتی ہے اور لکھنا شروع کردیتی ہے۔ اس کی پہلی کتاب ”سوسائٹی کی منافقت“ پر ہوتی ہے۔

اس پر کافی ہنگامہ ہوتا ہے اور علماء کی طرف سے اس کے خلاف فتویٰ جاری ہوجاتا ہے۔ اسی درمیان وہ سیاست میں حصہ لینے لگتی ہے اور وزیراعظم بننے والی ہوتی ہے کہ اس کو قتل کردیا جاتا ہے۔ ہارون صدیقی جہاں ایک طرف تسلیمہ پر سیریل بنارہے ہیں وہیں دوسری طرف انہیں خدشہ لاحق ہے کہ اس پر ہنگامہ ہوسکتا ہے، اسی لئے سیریل میں فلک جو کتاب لکھتی ہے وہ فرقہ وارانہ فسادات پر نہیں بلکہ خواتین کی گھریلو زندگی پر ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے صدیقی بھی تسلیمہ کے خیالات کے حامی اور ان کے مرید ہیں

بہرحال تین مہینے کے بعد اس سیریل لے زی ٹی وی پر دکھائے جانے کی امید ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس میں ہارون صدیقی صاحب نے کیا گل کھلائے ہیں۔ وہ چونکہ ابھی سے خائف ہیں اس سے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ سیریل میں ایسا مسالہ ضرور ہوگا جس سے ہنگامہ کھڑا ہوجائے اور اس کی حمایت و مخالفت میں صف بندی ہوجائے۔ کیونکہ آج کل فلم بنانے والوں نے اس طریقہ کار کو اپنی فلم کی کامیابی کی ضمانت کے طور پر استعمال کرنا شروع کردیا ہے۔

مسلمانوں کی ناراضگی کے باعث نانديال پارلیمانی حلقہ راؤ کے لیے ٹیڑھی کھیر

وزیراعظم اپنے حلقے سے بھاگنے پر مجبور

1996ء کا جنرل الیکشن جوں جوں قریب آرہا ہے، وزیراعظم پی وی نرسمہاراؤ کے تفکرات میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ شکست و ریخت سے دوچار کانگریس اور اس کے صدر کی بتدریج گھٹتی مقبولیت نے کانگریسیوں کی نیند حرام کر رکھی ہے وزیراعظم کی امیج "ووٹ کیچر" یعنی ووٹ کو کھینچنے والے کی بجائے "ووٹ لوزر" یعنی ووٹ گنوانے والے کی بنتی جارہی ہے اور صورت حال اتنی نازک ہوگئی ہے کہ وہ خود اپنے پارلیمانی حلقے نانديال سے دوبارہ جیتنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والوں کے علاوہ خود کانگریسی ورکرس بھی یہ پیش گوئی کر رہے ہیں کہ اس بار راؤ کا جیتنا ناممکن ہے۔ مسلمان تو ان سے دور ہو ہی گئے ہیں غیر مسلم بھی ان کی وعدہ خلافی اور اپنے حلقے کو نظرانداز کرنے کی بنا پر ان سے بری طرح ناراض ہیں۔

نانديال کے ایک ٹیچر سری رامامورتی کا کہنا ہے کہ 1991ء میں ہونے والے الیکشن کے موقع پر راؤ نے جو وعدے کئے تھے ان میں سے ایک بھی پورا نہیں کیا۔ ہم چار سال سے ان کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ ہم لوگوں نے یہ سوچ کر انہیں ووٹ دیا تھا کہ جس طرح سابق وزرائے اعظم نے اپنے اپنے حلقوں یعنی امیٹھی، بلیا اور رائے بریلی کو چمکا دیا تھا اسی طرح یہ وزیراعظم بھی کریں گے۔ لیکن انتخابی مہم کے دوران سڑکوں پر تارکول کی جو پیوند کاری ہوئی تھی اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوا۔ نانديال حلقے میں سات اسمبلی حلقے ہیں جن میں سے اسمبلی انتخابات میں صرف دو پر کانگریس کامیاب ہوئی بقیہ تلگو دیشم کی جھولی میں چلی گئی ہیں۔ کانگریسی ورکرس راؤ کے حلقے میں جاتے ہوئے ڈرتے ہیں کیونکہ انہوں نے ایک بھی وعدہ پورا نہیں کیا۔ ان ورکرس کا یہ بھی خیال ہے کہ وزیراعظم نے اپنی نااہلی کی بنا پر نہ صرف دوبارہ اپنی جیت کے امکانات کو ختم کردیا ہے بلکہ کسی بھی کانگریسی کی جیت تقریباً ناممکن ہے۔

راؤ مسلمانوں کی ناراضگی سے خائف

نانديال کے سابق ایم ایل اے، رام ناتھ ریڈی کا کہنا ہے کہ وزیراعظم کے لئے اپنی سیٹ دوبارہ نکالنا انتہائی مشکل ہوجائے گا۔ واضح ہو کہ نانديال اسمبلی حلقہ اب تلگو دیشم کے پاس ہے۔ گزشتہ دنوں مکمل ہوئے پنچایت انتخابات میں یہ صورت رہی کہ منڈل پریشد اور ضلع پریشد انتخابات میں کانگریس کو صرف آٹھ فیصد ووٹ ملے ہیں۔ نانديال کے ایک اسمبلی حلقے پاتیام کے متعلق وہاں کے ایک ووٹر لکشمن ریڈی کا کہنا ہے کہ سابق وزیراعلی کے۔ وجے بھاسکر ریڈی نے اقلیتوں کی حمایت سے یہ سیٹ نکال لی تھی لیکن اب یہاں سے کسی کانگریسی کا جیتنا مشکل ہے۔ کیونکہ پارٹی نے نہ صرف اقلیتوں اور مسلمانوں کی حمایت کھودی ہے بلکہ اسے دوسرے گروپوں کی حمایت سے بھی محروم ہونا پڑا ہے پنچایت الیکشن میں کانگریس کی شکست کی ایک اہم وجہ مسلمانوں کی ناراضگی بھی ہے۔

مسلمانوں کی ناراضگی کے سبب وزیراعظم انتہائی فکرمند ہیں اور بارسوخ ذرائع کے مطابق انہوں نے کسی محفوظ اور آسانی سے جیتی جانے والی سیٹ کی تلاش شروع کردی ہے کیونکہ نانديال پارلیمانی حلقے میں تقریباً پانچ لاکھ رائے دہندگان میں ڈھائی لاکھ اقلیت ووٹرس ہیں۔ نرسمہاراؤ مسلمانوں سے اس لئے خوفزدہ ہیں کہ وہ اس بات کو اچھی طرح محسوس کر رہے ہیں کہ انہیں دیکھ کر بابری مسجد کی شہادت کا غم تازہ ہوجائے گا۔ تلگو دیشم کے ایک ممبر اور اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر محمد فاروق بھی اس بات کو محسوس کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بابری مسجد کی شہادت کی بنا پر سیدھی لڑائی میں وزیراعظم کا جیتنا بہت مشکل ہے۔ واضح رہے کہ نانديال پارلیمانی الیکشن کے موقع پر تلگو دیشم نے اپنا کوئی امیدوار کھڑا نہیں کیا تھا۔ این ٹی راماراؤ نے یہ کہہ کر ان کی حمایت کی تھی کہ پہلی بار جنوب کا کوئی سیاستداں وزیراعظم بنا ہے اس پر ہمیں فخر ہے اور اسی لئے ہم ان کے مقابلے میں اپنا کوئی امیدوار کھڑا نہیں کریں گے۔ محمد فاروق کہتے ہیں کہ یہ سوچ کر انہیں یہ حلقہ دے دیا گیا تھا کہ وہ یہاں کے ترقیاتی پروگراموں پر خصوصی توجہ دیں گے اور رائل سیما آبپاشی اور پینے کے پانی کے پروجیکٹ کو اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ ہم ان کی قدر کرتے ہیں لیکن ہم یہ کہنے پر بھی مجبور ہیں کہ انہوں نے آبپاشی پروجیکٹ کی بات چھوڑیے پینے کے پانی تک کا مسئلہ حل نہیں کیا۔

نانديال کے مختلف پروجیکٹوں پر کام کرنے کے تعلق سے وزیراعظم کے دفتر نے آنکھ بند کر رکھی ہے۔ ایسے پروجیکٹوں پر بھی کوئی کام نہیں ہوا جن کا سنگ بنیاد رکھا جاچکا ہے۔ نانديال کے رہنے والے تلگو دیشم میونسپل چیئرمین پی رامیا کا

باقی صفحہ پر

کیا کابینہ کی توسیع راؤ کی کشتی پار لگا دے گی؟

وزیراعظم نرسمہاراؤ نے 1996ء میں ہونے والے عام انتخابات کی تیاریوں کا ایک مرحلہ مکمل کرلیا۔ بہت دنوں سے متوقع توسیع وزارت ہوگئی لیکن انتہائی محدود سطح پر۔ وزارت کا تاج اپنے سر پر سجانے کا خواب دیکھنے والوں کی ایک طویل فہرست تھی لیکن یہ "اعزاز" محض تین لیڈروں کے حصے میں آیا۔ تینوں سابق وزرائے اعلی ہیں۔ اور پہلی بار مرکزی وزیر بنائے گئے ہیں وزارت میں توسیع کے کام کو انجام دینے کے بعد نرسمہاراؤ نے یہ اشارہ بھی دیا کہ ابھی اور کچھ کرنا باقی ہے۔ دورہ فرانس پر جانے سے قبل ان کے سامنے جو دوسرا مرحلہ تھا وہ پارٹی تنظیم میں نئی روح پھونکنے کا تھا لیکن وہ فی الحال ملتوی ہوگیا ہے اور واپسی پر اسے انجام دیا جائے گا۔

وزیراعظم نے بہت غور و خوض اور سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت بہار کے جگن ناتھ مشرا، مہاراشٹر کے عبدالرحمن انتولے اور کیرل کے کروناکرن کو وزارتی کونسل میں شامل کیا ہے۔ سیاسی مبصرین اس پر ملا جلا ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔ جگن ناتھ مشرا کو مرکزی وزارت میں لینے کے پس پردہ راؤ کا مقصد ظاہر ہے بہار میں کانگریس کو مستحکم بنانا ہے لیکن کیا ان کا یہ قدم ان کے مقاصد پورے کرپائے گا؟ کچھ کہا نہیں جاسکتا، کیونکہ یہ وہی مشرا ہیں جن کی قیادت میں 1990ء میں بہار اسمبلی الیکشن ہوا تھا اور کانگریس کی کشتی غرقاب ہوگئی تھی، ادھر ان کے دو سیاسی حریف بھی ہیں ایک طارق انور اور دوسرے رام لکھن سنگھ یادو۔ انہیں وزیر بنانے سے بہار میں کانگریس مضبوط ہو یا نہ ہو البتہ دھڑے بازی میں اور اضافہ ہوگا اور آپسی چپقلش کا درجہ حرارت اس سال پڑنے والی گرمی کے درجہ حرارت سے بھی اوپر اٹھ جائے گا۔

جگن ناتھ مشرا

عبدالرحمان انتولے

کروناکرن

عبدالرحمن انتولے ایک طویل عرصے سے وزیر بننے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ پچھلی بار جب فروری میں توسیع کی گئی تھی تو وہ لب بام پہنچ کر نیچے گر گئے تھے کیونکہ پوار لابی نے ان کی مخالفت کی تھی۔ اس بار انہیں شامل کرکے ایک تو ان کے گروپ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور دوسرے ان کانگریسی لیڈروں کے تئیں اپنی ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے جو پارٹی میں اتحاد پیدا کرنے کے نام پر سونیا گاندھی کا آشیرواد حاصل کرنا چاہتے رہے ہیں۔ بالخصوص شرد پوار کی سرگرمیوں کے تئیں راؤ نے اپنی ناراضگی ظاہر کی ہے۔ دوسری طرف پوار گروپ کو انتہائی کمزور کرنے کا مقصد بھی اس میں چھپا ہوا ہے۔ مہاراشٹر کے پوار مخالف تین لیڈروں ایس۔ بی۔ چوان، وی این گاڈگل اور گورنر سدھاکر نائک کی صف میں ایک اور سپاہی کا اضافہ ہوگیا ہے۔ اس قدم سے راؤ نے یہ بھی واضح کردیا ہے کہ وہ پوار کے بریدہ پروں کو جڑ سے ختم کردینا چاہتے ہیں۔ ویسے انہیں پارٹی سے باندھے رکھنے کے لئے تنظیم میں شامل کرنے کا اشارہ بھی دیا گیا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں پارٹی کا جنرل سکریٹری بنا دیا جائے گا۔

جہاں تک کروناکرن کا معاملہ ہے تو اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے داداگیری سے وزیر بننے میں کامیابی حاصل کی ہے تو شاید بیجا نہ ہوگا۔ کیونکہ گذشتہ دنوں کیرل میں جب بحران پیدا ہوا اور انہیں مستعفی ہوجانے کو کہا گیا تو انہوں نے اسی شرط پر وزیراعلی کی کرسی خالی کی تھی کہ انہیں مرکزی وزارت میں شامل کرلیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر جلد ہی انہیں وزیر نہ بنایا گیا تو بعد میں "ڈھونڈتے رہ جاؤ گے"۔

ویسے نرسمہاراؤ نے مذکورہ تینوں لیڈروں کو وزیر بناکر ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی ہے۔ تینوں کے بارے میں یہ عام تاثر ہے کہ مسلمانوں میں ان کی کچھ پوزیشن ہے۔ انتولے نے مہاراشٹر میں اپنی وزارت اعلی کے دور میں کافی کام کیا تھا، البتہ بال ٹھاکرے سے بھی ان کی دوستی ہے اور انہوں نے وزیر بننے کے بعد بال ٹھاکرے سے فون پر کہا کہ وہ دہلی میں ان کے سینیئر ہیں۔ جگن ناتھ مشرا بھی مسلمانوں میں پسندیدہ نظر سے دیکھے جاتے ہیں، کروناکرن کے بھی مسلم طبقہ سے اچھے تعلقات ہیں۔ دوسری طرف تینوں کو وزیر بنانے کے پیچھے مسلمانوں، برہمنوں اور پسماندہ طبقات کو خوش کرنے کا مقصد بھی کارفرما ہے۔ لیکن کیا وزیراعظم کی یہ حکمت عملی کامیاب ہوجائے گی اور ان کے تیر نشانے پر بیٹھیں گے اس پر بہت کم لوگوں کو یقین ہے۔ ●

مایاوتی کو وزیر اعلیٰ بنوانے کی بی جے پی کی سیاسی ابن الوقتی

آر ایس ایس اور شیو سینا برہم

بی جے پی نے سیاسی ابن الوقتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انتقامی جذبے کے تحت ملائم سنگھ کی حکومت برخاست کرواکر بی ایس پی کی حکومت بنوا تو دی ہے لیکن کیا اونچی ذات کے اس کے ورکر اس فیصلے پر آمنا و صدقنا کہیں گے۔ اس کی توقع بہت کم ہے۔ دوسری طرف بی جے پی کے اس خالص سیاسی مفاد پرستی کے تحت اٹھائے گئے قدم کو سنگھ پریوار کی بھی تائید حاصل ہے اور کیا اس کے لئے آر ایس ایس کے چیف راجیندر سنگھ نے آڈوانی، واجپئی اور جوشی کو آشیرواد دیا ہے؟ یہ بھی ایک اہم سوال ہے۔ تقریباً اسی طرح کا ایک سوال یہ بھی ہے کہ مہاراشٹر میں بی جے پی کی شریک پارٹی شیو سینا نے بھی کیا اس قدم کی تائید کردی ہے اور کیا کانشی رام جیسے اونچی ذات کے بدترین دشمن کی حمایت کرنے پر بال ٹھاکرے نے خوشی اور اطمینان کا مظاہرہ کیا ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ ان تمام سوالوں کے جواب نفی میں ہیں اور بی جے پی کے سرپرست (آر ایس ایس) کے علاوہ اس کے ورکرس اور اس کی حلیف جماعتوں نے بھی اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

آر ایس ایس کے سربراہ پروفیسر راجیندر سنگھ بھی چیں بہ جبیں ہیں اور شیو سینا کے رہنما بال ٹھاکرے کی پیشانی بھی شکن آلود ہوگئی ہے۔ ادھر بی جے پی میں شامل اونچی ذات کے لوگوں نے بھی اسے دانشمندانہ قدم قرار دینے سے انکار کردیا ہے۔ کیونکہ کانشی رام اونچی ذات والوں کو نہ صرف ہدف تنقید بناتے تھے بلکہ انتہائی ہتک آمیز انداز میں ان کا ذکر کرتے تھے۔ ان کا نعرہ تھا۔ "تلک ترازو اور تلوار۔ ان کو مارو جوتے چار" جبکہ راجیندر سنگھ کا نعرہ ہے "تلک ترازو اور تلوار۔ ان سب کی ہو جے جے کار" بی جے پی میں بنیا برادری بھی شامل ہے اور کانشی رام ملک کے تمام بنیوں کو علی الاعلان چور کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

آر ایس ایس کا خیال ہے کہ چونکہ بی جے پی اور بی ایس پی کے نظریات میں زمین آسمان کا فرق ہے اس لئے بی جے پی کو محض ملائم حکومت برخاست کرانے کے لئے یہ قدم نہیں اٹھانا چاہئے تھا۔ اس سے بی جے پی کو عارضی طور پر محدود فائدہ تو ہوگا لیکن مستقبل میں اسے اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑسکتا ہے۔ بی جے پی میں برہمن، بنیا اور راجپوت سبھی شامل ہیں (تلک ترازو اور تلوار کی علامت انہیں کے لئے استعمال کی گئی ہے) اور کانشی رام انہیں جوتے مارنے کی ترغیب دیتے ہیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ کانشی رام کو کیسے پسند کریں گے۔ کانشی رام بی جے پی کو "ہوشیار کو برا" بھی کہتے رہے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ وہ اپنے عوامی جلسوں میں اونچی ذات کے لوگوں کو بیٹھنے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ ایسی صورت میں اونچی ذات کے لوگ یہ کیسے گوارہ کرلیں گے کہ اپنے اس بدترین دشمن کو اقتدار کی کرسی پر فائز کروا دیں۔ سنگھ پریوار کے ترجمان اکثر یہ الزام لگاتے رہے ہیں کہ کانشی رام چرچ آرگنائزیشن کے آلہ کار ہیں، وہ ہندو اتحاد کو توڑنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے انہیں غیر ملکی ایجنسیوں سے مالی تعاون بھی ملتا ہے۔ اس تناظر میں پارٹی ورکرس یہ محسوس کرتے ہیں کہ بی جے پی نے اپنے نظریات سے روگردانی کی ہے اور محض سیاسی ابن الوقتی کے پیش نظر ایک ایسی جماعت کی حمایت کردی ہے جو بی جے پی دشمنی کی تمام حدوں کو پار کرچکی ہے۔

ادھر شیو سینا کے لیڈر بال ٹھاکرے نے بھی اپنے اخبار "سامنا" میں ایک طویل اداریہ تحریر کرکے اپنے غصے اور ناراضگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ سامنا کے مطابق بی جے پی کے اس قدم سے اسے گرچہ وقتی فائدہ پہنچے گا لیکن اس کا اختتام بہت برا ہوگا۔ سیاسی طور پر دیوالیہ ہوگئے کانشی رام اور مایاوتی کی حمایت کرنے کے بجائے بہتر ہوتا کہ بی جے پی حزب اختلاف ہی کا رول ادا کرتی۔ بی جے پی کے اس اقدام سے اونچی ذات کے ہندوؤں میں غم و غصہ بڑھ گیا ہے۔ ویسے بھی اسمبلی انتخابات میں بی جے پی نے مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش میں اونچی ذات والوں کو ناراض کردیا تھا۔

اداریہ میں مزید کہا گیا ہے کہ اس قدم سے بی جے پی کی خود شکستگی کا مظاہرہ ہوتا ہے اور یہ مایاوتی جیسی بے وقوف لیڈر کے لئے خطرناک بھی ہوسکتا ہے حالانکہ وہ ملک کی سب سے بڑی ریاست کی وزیر اعلیٰ بن گئی ہے۔ اخبار کے مطابق یہ ان سیاسی پارٹیوں کی ایک سازش ہے جو ہندوتو وادی پارٹیوں کو دہلی کے اقتدار پر قابض ہونے سے روکنا چاہتی ہیں۔ سیاست میں کوئی مستقل دوست یا مستقل دشمن نہیں ہوتا اور دہلی میں بی جے پی کے سینئر رہنماؤں کا کہنا ہے کہ وہ سیاسی اچھوت بننے میں یقین نہیں رکھتے۔ لیکن یہاں سوال سیاسی اچھوت کا نہیں بلکہ سیاسی ضابطہ اخلاق کا ہے۔ بی جے پی کی نظر 1996ء کے جنرل الیکشن پر ہے اور وہ یہ امید لگائے بیٹھی ہے کہ کانشی رام کی حمایت کرکے وہ دلت رائے دہندگان کے ووٹ حاصل کرلے گی۔ لیکن کانشی رام اور مایاوتی جو کہ امبیڈکر کو انتہائی برے الفاظ میں یاد کرتے ہیں، دلتوں کے رہنما کیسے ہوسکتے ہیں۔

سامنا کے اداریہ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کانشی رام کی بری امیج اور مایاوتی جیسی گھٹیا لیڈر کی حمایت کرنے سے بی جے پی کو نقصان پہنچ جائے؟ اس اقدام سے ہمیں اس لئے افسوس ہورہا ہے کہ بی جے پی ہماری دوست پارٹی ہے۔ مایاوتی نہ صرف گھٹیا لیڈر ہے بلکہ بے وقوف اور منہ پھٹ بھی ہے۔ گذشتہ اٹھارہ مہینوں میں مایاوتی نے بار بار بی جے پی کی اترپردیش میں "پانی پت کی شکست" کو دوہرایا ہے اور اس کا سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش کی ہے۔ ملائم اور کانشی رام نے الیکشن میں جیت کر بی جے پی کو اقتدار سے دور کردیا۔ اس لئے یہ کسی بھی قیمت پر قابل قبول نہیں ہے کہ اب بی جے پی انہی کانشی رام کی دوست بن جائے۔ کانشی رام نے حال ہی میں مہاراشٹر میں بھی الیکشن لڑا اور زبردست پیمانے پر کامیابی کی پلاننگ کی لیکن انہیں شکست فاش ہوئی اور ہم نے انہیں دھول چاٹنے پر مجبور کردیا۔

یوپی کی سیاست کے "دلت کرن" سے فائدہ اٹھانے کی کوشش

مایاوتی کو وزیر اعلیٰ بنوانے کے بعد اترپردیش سیاست کا "دلت کرن" شروع ہوگیا ہے۔ نہ صرف بی جے پی بلکہ دوسری پارٹیاں بھی اپنی "دلت دوستی" کا مظاہرہ کرتے ہوئے مایاوتی کو مکمل اخلاقی حمایت کی یقین دہانی کروارہی ہیں۔ مایاوتی بھی دہلی کا دورہ کرکے وزیر اعظم سے لے کر آڈوانی، وی پی سنگھ، شرد یادو اور اجیت سنگھ سے آشیرواد حاصل کرچکی ہیں۔ اب تمام پارٹیاں اس کو کیش بھی کروانا چاہتی ہیں اور بی جے پی کے ساتھ ساتھ سبھی جماعتیں اترپردیش میں پہلی دلت حکومت بنوانے کا سہرا اپنے سر بندھوانا چاہتی ہیں۔ آئندہ پارلیمانی انتخابات میں سیاسی فائدہ اٹھانے کے لئے ہی یہ چالیں چلی جارہی ہیں۔ ان تمام پارٹیوں میں سب سے زیادہ فائدہ بی جے پی کو حاصل ہوا ہے، ہورہا ہے اور آگے بھی ہوگا۔ بلکہ بی جے پی تو بی ایس پی حکومت کی حمایت کی قیمت عام انتخابات کے موقع پر سود در سود وصول کرے گی۔

بی جے پی کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فائدہ یہی ہوا ہے کہ اس نے اپنے دیرینہ حریف ملائم سنگھ کو اقتدار سے بے دخل کردیا ہے۔ دراصل ملائم سنگھ نے 1993ء کے اسمبلی انتخابات میں بی جے پی کے دلت اور پسماندہ ووٹوں پر قبضہ کرلیا تھا اسی لئے ملائم بی جے پی کی آنکھوں کی شہتیر بنے ہوئے تھے۔ کانشی رام اونچی ذات والوں کو مغلظات سناتے نہیں تھکتے تھے اور بی جے پی ان کی سب سے طاقتور حریف تھی۔ لیکن آخر وہ کون سی وجوہات ہیں جن کے سبب بی جے پی نے کانشی رام کو گلے لگالیا اور رسم حلف برداری کے موقع پر گورنر ہاؤس میں "جے شری رام، جے کانشی رام" کا نعرہ بلند کیا۔ دراصل بی جے پی کی نظر جہاں بہت سارے عوامل پر ہے وہیں وہ لوک سبھا کے انتخابات پر بھی نظر گڑائے ہوئے ہے۔

بی جے پی اونچی ذات والوں کی پارٹی ہے دلتوں اور پسماندہ طبقات کی وہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کی امیج بھی یہی ہے اور بی جے پی اپنی اس امیج کو توڑ کر دلتوں اور پسماندہ طبقات کو بھی اپنی جانب مائل کرنا چاہتی ہے۔ ایک دلت خاتون کو وزیر اعلیٰ کی کرسی پر فائز کرواکر بی جے پی کے سینئر لیڈران یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس طرح دلتوں کا ایک بڑا طبقہ ان کی طرف راغب ہوجائے گا، اور اس طرح مسلم ووٹ کی عدم حصولیابی کا ازالہ بھی ہوجائے گا۔

دراصل سنگھ پریوار ایک عرصے سے دلتوں کو اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ وشو ہندو پریشد، آر ایس ایس، بی جے پی اور بجرنگ دل وغیرہ کی جانب سے اس طبقہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مختلف پروگرام بھی منعقد کئے جاتے رہے ہیں۔ بابری مسجد کے انہدام کی پہلی برسی پر پریشد کی جانب سے جو پروگرام منعقد کیا گیا تھا اس میں اسٹیج پر مجوزہ رام مندر کے نقشے کے ساتھ رام اور امبیڈکر کی تصویریں بھی آویزاں کی گئی تھیں۔ مارچ 1994ء میں بنارس میں منعقد

بقیہ: بھٹو

اپنے عہدے سے وابستگی کے دوران ذاتی مشاہدات کی بناء پر بھٹو کے آخری لمحات سے متعلق جو تفصیل فراہم کی ہے اس کے بعض حصے یقیناً دلچسپ ہیں۔

پھانسی کی رات ساڑھے چھ بجے شام کو بھٹو سے پوچھا گیا تھا کہ وہ اپنی وصیت لکھنا یا بولنا چاہیں گے۔ انہوں نے لکھنے کو ترجیح دی تھی اور کاغذ قلم وغیرہ طلب کیا تھا لیکن موت کی طرف ہر آن بڑھنے کی کیفیت میں متغیر ذہنی حالت کے تحت وہ بار بار اپنے فیصلے کو بدلتے رہے۔ انہوں نے اس دوران یہ شکایت کی تھی کہ ان کی سزائے موت کا تحریری پروانہ انہیں دکھایا نہیں گیا ہے اور انہیں بتایا گیا تھا کہ قانون کے مطابق پھانسی کی سزا پانے والوں کو موت کا پروانہ دکھایا نہیں جاتا۔ بھٹو نے بعض دیگر عزیزوں اور عبدالحفیظ پیرزادہ سے ملنے کی خواہش بھی ظاہر کی تھی جس کے جواب میں یہ کہا گیا کہ وقت کی تنگی کی بنا پر مزید افراد سے ملنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے بعد انہوں نے "شیونگ کٹ" طلب کی۔ اس دوران جیل سپرنٹنڈنٹ ان کے پاس آدھ گھنٹے تک موجود تھا وہ نارمل لگ رہے تھے اور کسی طرح کی بے چینی کا اظہار نہیں ہورہا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ کے جانے کے بعد بھٹو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک قدم اٹھاتے ہی لڑکھڑائے۔ پھر انہوں نے عبدالرحمن مشتاق کو آواز دی اور اسے داڑھی بنانے کی غرض سے گرم پانی لانے کے لئے کہا اور بولے "میں بارئش ملا کی طرح مرنا نہیں چاہتا"۔

اس رات سوا آٹھ سے تقریباً پونے دس بجے تک بھٹو اپنے جیل کے کمرے میں بیٹھے کچھ لکھتے رہے اور ذہنی انتشار ان کے چہرے سے ظاہر تھا۔ سوا دس بجے سے گیارہ بجے تک پھر وہ کچھ لکھنے میں مصروف رہے۔ اور ایک بار یہ پوچھنے کے بعد کہ پھانسی لگنے میں ابھی کتنا وقت ہے انہوں نے اپنے لکھے ہوئے سارے کاغذات جلا ڈالے۔

اس کے بعد مصنف نے پھانسی سے پہلے جیل سپرنٹنڈنٹ اور ڈاکٹر سے بھٹو کے مکالمات، ان کی زیادہ تر خاموشی یا اتفاقیہ جواب، جیل کے

اس شمارے کی قیمت چار روپے
سالانہ چندہ ایک سو پچاس روپے / سو امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلیشر ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپواکر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل
49، ابوالفضل انکلیو،
جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا
فون: 6827018

حضرت جی کی وفات پر ایک عالم سوگوار ہے

انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے قریبی رشتہ تھا۔ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ مولانا انعام الحسن کی حقیقی دادی تھیں۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے تھے اور مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کو بیاہی ہوئی تھیں۔ اور وہ مولانا محمد یوسف صاحب کے ہم زلف تھے۔

مولانا انعام الحسن کی ولادت 1918ء میں کاندھلہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اور قرآن حافظ منگتو اور اردو فارسی وغیرہ اپنے نانا حکیم عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ نو سال کی عمر میں مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ انہیں دہلی لے آئے اور باقی تعلیم بنگلے والی مسجد کے مدرسہ (مرکز تبلیغی جماعت) میں حاصل کی۔ حدیث کی کچھ تعلیم مظاہر العلوم سہارنپور میں بھی حاصل کی۔ لیکن مولانا نے جلد ہی انہیں اپنے پاس دہلی واپس بلا لیا۔ ان کی علمی استعداد بہت اچھی تھی۔ حافظہ غضب کا تھا۔ اس مدرسہ میں انہوں نے حدیث کی تدریس بھی کی۔

مولانا اپریل 1965ء میں تبلیغی جماعت کے امیر مقرر ہوئے۔ وہ تبلیغی جماعت کے تیسرے امیر تھے۔ پہلے امیر اس تحریک کے بانی مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ان کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت میں مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا زبردست حصہ تھا۔ ان کی جوہر حق شناس نظریں مولانا کے اندر کی خوبیوں اور عظمتوں کو دیکھ رہی تھیں۔ اور انہیں اپنی زندگی ہی میں ان کی خوبیوں، انکساری، للہیت اور امارت کے منصب کی اہلیت کا بخوبی احساس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات کے آخری ایام میں **امارت کے سلسلے** میں جن چند افراد کے ناموں کی نشاندہی کی تھی ان میں مولانا کا نام بھی شامل تھا۔ وہ اپنے **مشن اور مقصد** میں خاموشی اور انہماک کے ساتھ لگے رہے۔ انکساری ان کے مزاج کا بنیادی حصہ تھی۔ وہ دوسروں کو توجہ سے سنتے اور ان کے مافی الضمیر کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ نرمی اور **حکمت سے معاملات کو طے کرتے۔ وہ اعلیٰ انتظامی** صلاحیتوں کے بھی مالک تھے۔ مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں کہا جاتا تھا کہ مولانا یوسف اگر اس کام میں ایک دھڑکتے دل کا مقام رکھتے ہیں

> **مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں کہا جاتا تھا کہ مولانا یوسف اگر اس کام میں ایک دھڑکتے دل کا مقام رکھتے ہیں تو مولانا انعام الحسن اس کے دماغ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دور امارت میں جو تیس سالوں پر محیط ہے۔ تبلیغی تحریک کو بے پناہ فروغ حاصل ہوا**

تو مولانا انعام الحسن اس کے دماغ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دور امارت میں جو تیس سالوں پر محیط ہے۔ تبلیغی تحریک کو بے پناہ فروغ حاصل ہوا۔

مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد اپریل 1965ء میں شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے مرکزی ذمہ داروں سے مشورے کے بعد امارت کے لئے جب مولانا انعام الحسن کے نام کا اعلان فرمایا تو اکثر لوگوں کو حیرت ہوئی اور تحریک کے لئے اس فیصلے کو نامناسب قرار دیا۔ اس کی واحد وجہ مولانا کی رحد درجہ عجز و انکساری تھی۔ لیکن بعد کے حالات اور مولانا کے خلوص، انہماک، لگن اور ان کی للہیت نے یہ ثابت کردیا کہ یہ فیصلہ حد درجہ مناسب **اور** بابرکت تھا۔

مولانا نے تبلیغی کام کے سلسلے میں ہندوستان کے علاوہ متعدد غیر ممالک کا سفر بھی اختیار کیا۔ مختلف ممالک کے لوگ اس تحریک سے جڑے۔ اور وہ اکثر ہندوستان آکر ان سے ملتے۔ اور اپنی دینی پیاس بجھاتے۔ مولانا کا دور امارت تبلیغی کام کے پھیلاؤ کے پیش نظر سنہری دور کہا جاسکتا ہے۔

مولانا کے انتقال کی خبر سے ہندوستان ہی نہیں دنیا بھر میں لوگوں نے اپنے آپ کو بے حد غمناک محسوس کیا۔ اور ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں چند گھنٹوں میں لوگ نظام الدین پہنچ گئے۔ دنیا کے مختلف ممالک سے کثیر تعداد میں لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ شدید گرمی کے باوجود ہجوم کا یہ عالم تھا کہ نظام الدین کی سڑکیں حد نظر تک انسانوں سے پٹی پڑی تھیں۔ ان کی نماز جنازہ مولانا کے صاحبزادے مولانا زبیر الحسن صاحب نے پڑھائی۔ اور بنگلہ والی مسجد میں مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں انہیں سپرد خاک کیا گیا۔ اور مولانا اپنے لاکھوں عقیدتمندوں کو سوگوار اور اشکبار چھوڑ کر رخصت ہوگئے۔ اللہ رب العزت ان کی مغفرت کرے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے متوسلین کو صبر جمیل عطا کرے آمین۔ اور ان کے عقیدت مندوں کو نیک کام کی توفیق دے اور ان خصوصیات سے متصف کرے جو مولانا کا شان امتیاز تھا۔

یدن منجیت مشرا کے ہاتھوں تین سو روپے میں بیچ دیگئی

تنگ آکر اپنی جوان بیٹی کو ایک غیر مسلم کے ہاتھوں فروخت کردیا ہے، جو اب اس کی بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ رہ رہی ہے۔ پہلے اس لڑکی کا نام شہین تھا مگر اب وہ اوشا دیوی بن چکی ہے۔ اس واقعے سے جہاں گاؤں کے غیر مسلموں میں فخر و مسرت کی لہر دوڑ گئی ہے وہیں مسلمانوں میں تضحیک و تذلیل کا احساس بیدار ہوگیا ہے جس کی بنا پر گاؤں میں فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہوگئی ہے اور مبینہ طور پر مذکورہ غیر مسلم کو دھمکیاں بھی مل رہی ہیں۔

رپورٹ کے مطابق مظفر پور ضلع کے بکھری گاؤں میں 45 سالہ زلیخا خاتون نامی بیوہ رہتی ہے۔ اس کے شوہر کا گذشتہ سال ایک بیماری میں انتقال ہوگیا۔ زلیخا کا کہنا ہے کہ مناسب علاج نہ ہونے کی بنا پر اس کے شوہر نے دم توڑ دیا۔ مناسب علاج اس بنا پر نہیں ہوسکا کہ زلیخا کے پاس پیسے نہیں تھے۔ چونکہ وہ ایک غریب گھر سے تعلق رکھتی ہے اس لئے گاؤں کے کسی بھی شخص نے اس کی مدد نہیں کی۔ اس کے شوہر کے انتقال کے کچھ دنوں بعد اس کے گھر میں فاقہ کشی کی نوبت آگئی اور زلیخا کے مطابق ایک ہفتہ تک اس کے گھر میں چولہا نہیں جلا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اس کی دوسری بیٹی اسی اثناء میں بیمار پڑگئی، اس کو علاج اور پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے پیسوں کی سخت ضرورت تھی اسی درمیان رام پریت نامی ایک شخص نے اس سے کہا کہ گاؤں کا منجیت مشرا تمہاری بڑی بیٹی کو خریدنے کے لئے تیار ہے۔ رام پریت کی ثالثی سے سودہ تین سو روپے میں طے ہوگیا۔ منجیت کی بھی عمر 45 سال ہے اور ابھی تک وہ کنوارہ تھا۔ وہ بھومیہار ذات سے تعلق رکھتا ہے اور اب اس عمر میں اسے اپنی برادری میں کوئی لڑکی ملنے کی توقع نہیں رہ گئی۔ لہذا اس نے خوشی خوشی شہین کو تین سو روپے میں خرید کر اپنی بیوی بنالیا۔ شہین کے پاس چھ ماہ کا ایک بچہ بھی تھا جو اس کے سابق شوہر سے تھا اور جس کی اسے بالکل پرواہ نہیں تھی۔ لیکن اس بچے کا معاملہ بھی لگے ہاتھوں طے ہوگیا۔ گاؤں ہی کے عبدالکریم نامی ایک گوشت فروش نے چار سو روپے میں بچے کو خرید لیا۔ گویا بیٹی اور نواسے کو بیچ کر زلیخا نے سات سو روپے حاصل کئے۔

شہین منجیت مشرا کے ساتھ

اس واقعہ پر زلیخا کا کہنا ہے کہ تین سو روپے میرے لئے بہت بڑی رقم تھے اس لئے میں نے یہ سودہ منظور کرلیا۔ دوسری طرف منجیت مشرا کے پاس پانچ ایکڑ زمین ہے اس لئے زلیخا کا خیال ہے کہ اس کے گھر شہین کو فاقہ نہیں کرنا پڑے گا۔ شہین بھی اس سے خوش ہے وہ کہتی ہے کہ آخر وہ بھی تو انسان ہے۔ ادھر منجیت کا کہنا ہے کہ میں نے ایک دوسرے مذہب کی لڑکی سے شادی کرلی ہے اس لئے مجھے انعام ملنا چاہئے۔ اس گاؤں میں ہندو اقلیت میں ہیں ان کا کہنا ہے کہ منجیت بھیا نے ایک بڑا کام کیا ہے اس نے ایک مسلم لڑکی کو ہندو بنا کر اپنے مذہب میں ایک فرد کا اضافہ کیا ہے۔

منجیت کا کہنا ہے کہ گاؤں کے مسلمان مجھے اور میری بیوی کو دھمکی دیتے ہیں اور میری بیوی سے مجھے چھوڑ کر چلے جانے کو کہتے ہیں۔ گاؤں کا مسلم چوکیدار مجھے گالیاں دیتا ہے اس نے جنتا دل کے مسلم لیڈروں سے مل کر میری بیوی کو واپس آجانے کے لئے مجبور کرنا چاہا لیکن میری بیوی نے ان کی پیش کش ٹھکرا دی۔ زلیخا اشک آلود آنکھوں سے کہتی ہے کہ مخالفت کرنے اور دھمکی دینے والے اس وقت کہاں تھے جب ہم لوگ فاقے پر فاقہ کر رہے تھے۔ یہ لیڈران اس وقت کہاں چلے گئے تھے جب میری دوسری بیٹی بیمار ہوگئی تھی اور مجھے پیسوں کی سخت ضرورت تھی۔

بہرحال اب شہین اوشا دیوی بن گئی ہے اور وہ اپنی موجودہ زندگی، موجودہ معاشرے اور موجودہ شوہر سے خوش ہے۔ یہ واقعہ انتہائی تکلیف دہ اور اذیت ناک ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ اپنی نوعیت کا یہ تنہا واقعہ ہو۔ دور دراز اور بالخصوص ان علاقوں میں جہاں مفلسی و تنگ دستی کی چادر پھیلی ہوئی ہے اور جہاں کے مسلمان اسلام کی ابتدائی تعلیم سے بھی ناواقف ہیں ایسے واقعات باعث حیرت نہیں ہیں۔ البتہ باعث حیرت ہے ان علاقوں اور گرد و نواح کے تعلیم یافتہ، برسر روزگار، دولت مند مسلمانوں اور مذہبی تنظیموں کے ذمہ داروں کا ان واقعات کی جانب سے آنکھیں بند رکھنا۔ یہ واقعہ مسلم معاشرے کے خود ساختہ ٹھیکیداروں کے چہرے پر کسی تھپڑ سے کم نہیں ہے۔ زلیخا کا اپنی بیٹی اور نواسے کو فروخت کردینے کا عمل خواہ کتنا ہی غلط اور ناقابل معافی کیوں نہ ہو لیکن اس کی وضاحت میں جو کرب اور بے چینی پوشیدہ ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا کہنا بجا ہے کہ جب وہ لوگ بھوکوں مر رہے تھے تو اس کی مدد کیوں نہیں کی گئی اور اسے اس مقام تک پہنچنے کے لئے کیوں مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی بیٹی کو ایک غیر مسلم کے ہاتھوں فروخت کردے۔ آخر اس کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا مسلم معاشرے کے ارباب اختیار کا یہ فرض نہیں بنتا کہ وہ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں اور کسی بھی شہین کو اوشا دیوی بننے سے روکنے کی کوشش کریں۔

کے داغ سے نجات حاصل کرلے۔ واضح رہے کہ اترپردیش میں کوئی بھی پارٹی بی جے پی کے ساتھ اتحاد کرنے کو تیار نہیں تھی۔ گزشتہ دنوں مکمل ہوئے مرحلہ وار اسمبلی انتخابات میں کانشی رام کی پارٹی کی ذلت آمیز شکست کے بعد مختلف پارٹیاں انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتی رہی ہیں۔ لیکن بازی بی جے پی کے ہاتھ رہی۔ اس کی وجہ شاید یہ رہی ہے کہ وہ گزشتہ کئی مہینے سے اس اتحاد کو توڑنے کی جدوجہد میں مصروف تھی۔ اس نے مایاوتی کے اندر پوشیدہ اقتدار کی ہوس کو خوب ابھارا اور پھر کانشی رام و مایاوتی کو اس حد تک تیار کرہی لیا کہ وہ اپنا ہاتھ ملائم سے جھٹک کر بی جے پی کے ہاتھ میں دے دیں۔ اب بی جے پی اس دلت کرن سے یہ بھی فائدہ اٹھانا چاہتی ہے کہ یوپی میں ملائم کے زمانے میں اسے جو نقصان ہوا اس کا ازالہ کرلیا جائے اور مایاوتی کے کندھے پر بندوق رکھ کر اپنے تمام حریفوں کو نشانہ بنایا جائے۔ یوپی میں بی جے پی کے ممبران پارلیمنٹ کی تعداد 51 ہے اب اس کی کوشش ہے کہ اگر اس میں اضافہ نہ ہوسکے تو کم از کم تخفیف بھی نہ ہو

بی جے پی اس دلت کرن کا ایک فائدہ یہ بھی اٹھانا چاہتی ہے کہ سماجی انصاف کے نعرہ کو ہندوتو کے نعرہ میں بدل دیا جائے۔ بی ایس پی مجبور ہے وہ وہی کرے گی جو بی جے پی چاہے گی کیوں کہ بہرحال بی ایس پی حکومت کی جان بی جے پی کے طوطے میں ہے۔ اور اس طوطے کی گردن مروڑنا بی جے پی کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

مصر میں اسلام پسندوں پر مظالم کا لامتناہی سلسلہ

مصر پہلا عرب ملک تھا جس نے عربوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ کر اسرائیل سے امن معاہدہ کرکے دوستی گانٹھ لی تھی۔ مگر آج غالباً مصر ہی کو اسرائیل سے سب سے زیادہ شکایت ہے۔

ابھی نیوکلیر ہتھیاروں کی عدم توسیع کے مسئلے پر اسرائیل کے خلاف کوئی قرارداد پاس کرانے میں اپنی ناکامی کی جانکاہ تکلیف سے مصری حکام نکل بھی نہ پائے تھے کہ تل ابیب کے حکمرانوں نے بعض ایسے بیانات داغ دیے جنہوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔ دراصل آج کل اسرائیلی خاص طور سے وزیر خارجہ شمعون پیریز ایک بار بھرپور زور و شور سے علاقائی معاشی تعاون کی بات کرنے لگے ہیں۔ مصریوں کو اندیشہ ہے کہ اسرائیلی دراصل ایک ایسے مغربی ایشیا کا خواب دیکھ رہے ہیں جس کی بنیاد ان کے دماغ، خلیجی ممالک کی دولت اور سستے مصری مزدوروں پر قائم ہوگی۔ بعض مصری تو یہ شبہ بھی ظاہر کر رہے ہیں کہ اس "نئے مغربی ایشیا" میں شاید انہیں نظرانداز کردیا جائے گا۔

درحقیقت مصر میں بے روزگاری بہت زیادہ ہے۔ ہر سال تقریباً پانچ لاکھ نوجوان روزگار کی مارکیٹ میں داخل ہوتے ہیں جن میں سے کم ہی کو اندرون ملک نوکری مل پاتی ہے۔ مصر کی کل آبادی اس وقت چھ کروڑ کے قریب ہے جس میں سے نصف کے قریب اوسطاً 21 سال سے کم عمر کے ہیں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے ہر سال ہزاروں طلبا فارغ ہوتے ہیں اور اکثر برتن صاف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جبکہ بہتوں کو یہ معمولی نوکری بھی نہیں ملتی۔

مصری حکام آج کل ہر وقت ایک تیز و

حسنی مبارک

سرگرم معاشیات کی بات کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ماہرین معاشیات کے خیال میں اگر سارے بے روزگاروں کو نوکری دینی ہے تو پھر مصری معاشیات کو کئی سال تک سات فیصد سے زیادہ ترقی ریکارڈ کرنی ہوگی جو بظاہر مشکل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے بعد امریکہ نے مصر کی کافی مدد کی ہے۔ اگرچہ اس کا ایک اچھا خاصا حصہ معاہدوں کے مطابق افسران کی تنخواہوں پر خرچ ہوجاتا ہے یا تقریباً تیس فیصد امداد سے امریکی سامانوں کی خریداری کرنی ہوتی ہے لیکن پھر بھی جو کچھ بچ جاتا ہے اس سے بعض ترقیاتی پروگراموں کی تکمیل کی گئی ہے۔ چنانچہ ٹیلی فون آج کل معجزاتی طور پر ہمہ آن کام کرتے ہیں۔ بجلی کے معاملے میں مصر خود کفیل ہی نہیں بلکہ اس کے پاس اضافی بجلی ہے اور شاید جلد ہی زمین دوز ریلوے کے آغاز کے بعد ٹریفک نظام میں بھی بہتری آجائے۔

لیکن مغرب کے صنعت کاروں کو شکایت ہے۔ وہ مصر میں اپنا سرمایہ لگانا چاہتے ہیں لیکن ان کے بقول مصری بیوروکریسی ان کے لئے طرح طرح کی مشکلیں کھڑی کرتی رہتی ہے۔ اس کے برعکس مصریوں کا کہنا ہے کہ وہ Liberalization کے قائل تو ہیں مگر یہ کام آئی ایم ایف کے بجائے اپنی رفتار سے کریں گے۔

لیکن مصر میں مارکیٹ یا بازاری معاشیات کا آغاز برسوں پہلے ہوا تھا اور آج اس کے نتیجے میں پورا مصری سماج امیر و غریب میں بٹا ہوا ہے۔ ایک طرف مٹھی بھر امیروں کی جماعت ہے جنھیں وہ ساری سہولیات حاصل ہیں جو مغربی رؤسا کو ملی ہوئی ہیں تو دوسری طرف کروڑوں کی تعداد میں غریب، ننگے بھوکے عوام ہیں۔ امیر و غریب کا فرق مصر میں پہلے بھی تھا مگر آج یہ انتہائی بدترین شکل اختیار کرگیا ہے۔

اس صورت حال کا مصر کے اسلام پسندوں نے کافی فائدہ اٹھایا۔ لیکن چونکہ ان میں بعض بہت زیادہ انقلابی تھے اور انہوں نے پولیس زیادتیوں کے مقابلے میں ہتھیار اٹھالیا اس لئے حکومت کو ظلم و ستم کی انتہا کرنے کا موقع مل گیا۔ اس ضمن میں حکومت نے انتہا پسند تحریکوں اور معتدل اخوان المسلمین میں کوئی فرق نہیں کیا۔

چنانچہ گذشتہ تین سال سے حکومت اسلام پسندوں کے خلاف جابرانہ کارروائیوں میں مصروف ہے۔ اب تک 600 سے زائد افراد کو ہلاک کیا جاچکا ہے اور ہزاروں کو جیلوں میں بند کردیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود حکومت اسلام پسندوں کا زور کم کرنے میں ناکام رہی ہے۔

اس ناکامی سے بوکھلا کر اب حکومت نے اخوان المسلمین کو نشانہ بنانا شروع کردیا ہے۔ اس تنظیم کے بے شمار افراد کو حراست میں لے لیا گیا ہے اور کتنوں ہی سے تشدد کے ذریعے ایسے جرائم کا اعتراف کرایا گیا جو وہ کبھی کر ہی نہیں سکتے۔ خود مغربی صحافیوں نے اب اعتراف کرنا شروع کردیا ہے کہ حکومت اخوان المسلمین کے خلاف بیجا جبر و تشدد سے کام لے رہی ہے۔

چنانچہ گذشتہ تین سال سے حکومت اسلام پسندوں کے خلاف جابرانہ کاروائیوں میں مصروف ہے۔ اب تک 600 سے زائد افراد کو ہلاک کیا جاچکا ہے اور ہماروں کو جیلوں میں بند کردیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود حکومت اسلام پسندوں کا زور کم کرنے میں ناکام رہی ہے۔

حکومت بعض قوانین کے ذریعہ بھی اخوان المسلمین کو تنگ کرنے کا پروگرام رکھتی ہے۔ کئی سالوں سے ڈاکٹروں، وکلاء اور انجینئروں کی تنظیموں پر اخوان کا قبضہ ہے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ ایسا اس لئے ہوسکا کیونکہ ووٹ بہت کم پڑتے تھے اور اخوان کے سرگرم کارکن سوفیصد ووٹ ڈال کر الیکشن جیت لیتے تھے۔ چنانچہ اب حکومت نے قانوناً پچاس فیصد کا کورم مقرر کردیا ہے کہ اس سے کم ووٹ پڑنے پر انتخاب کالعدم ہوجائے گا۔ غیر جانبدار مبصرین کا کہنا ہے کہ اس سے شاید ہی اخوان کی صحت پر اثر پڑے۔ وہ آئندہ بھی کامیاب ہوں گے۔

امسال مصر میں پارلیمانی انتخابات بھی ہوں گے۔ لیکن یہ انتخاب ایک فراڈ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ نظام کچھ ایسا ہے کہ حکومت کو دوتہائی اکثریت خود بخود مل جاتی ہے۔ بقیہ ایک تہائی کے لئے بھی آزادانہ انتخابات نہیں ہوتے۔ اخوان المسلمین کو تو اس میں شامل ہونے کی اجازت بھی نہیں ہے لیکن اس کے نمائندے دوسری پارٹیوں کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لیتے اور اچھی خاصی کامیابی بھی حاصل کرتے ہیں۔ مبصرین کا خیال ہے کہ اس سارے جبر و تشدد کے باوجود اخوان کا اثر بتدریج بڑھتا جارہا ہے۔ تعلیمی اداروں، ایجوکیشن منسٹری اور ایسے بہت سے اداروں پر پہلے ہی ان کا یا ان کے ہم خیال لوگوں کا قبضہ ہے۔ لگتا ہے کہ حکومت کی جبر کی پالیسی نے لوگوں کے دلوں میں خود بخود اخوان کے تئیں نرم گوشہ پیدا کردیا ہے۔ بعض تو کھلے عام کہتے ہیں کہ اگر مغرب کے طرز پر آزادانہ انتخابات ہوں تو اخوان اور دوسرے اسلام پسندوں کی فتح تقریباً یقینی ہے۔

●

خلیجی جنگ کے باعث عربوں کے خزانے خالی ہوگئے

1990ء میں کویت پر عراقی حملہ سے عرب دنیا کی معاشی حالت پر زبردست اثر پڑا تھا جسے آج تک محسوس کیا جارہا ہے۔ ایک کویتی اسکالر ڈاکٹر عبداللطیف الحماد، جو کویت میں واقع عرب فنڈ برائے معاشی و سماجی ترقی کے چیئرمین ہیں، نے حال میں اومان میں ایک لکچر کے دوران بتایا کہ اس جنگ سے عربوں کو کل سات سو بلین ڈالر کا نقصان ہوا۔ یہ رقم عربوں کی اس آمدنی سے دوگنا ہے جو انہیں 1985ء سے 1990ء کے درمیان تیل سے حاصل ہوئی تھی۔ اس زبردست نقصان کی وجہ سے ڈاکٹر حماد کے بقول عرب نظام درہم برہم ہوکر رہ گیا ہے۔ ڈاکٹر حماد نے مزید کہا کہ اس بڑی رقم سے عرب ممالک میں بہت سے ترقی کے کام شروع کئے جاسکتے تھے۔ ڈاکٹر حماد نے بہرحال یہ نہیں بتایا کہ اس بڑے نقصان میں کس مسلم ملک کا حصہ کتنا ہے۔

لیکن اس سے قبل بعض مطالعات سامنے آچکے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ رقم براہ راست و بالواسطہ دونوں قسم کے نقصانات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس میں وہ نقصان بھی شامل ہے جو عراق و کویت میں تیل کی پیداوار کے کارخانوں اور دوسری سہولتوں کے ختم ہوجانے سے پہنچا ہے۔ اسی طرح ان دونوں ممالک میں کام کرنے والے عربوں کے ذریعہ جو بھاری رقم مصر و اردن اور شام جیسے ملکوں کو روانہ کی جاتی تھی اس کے بند ہونے سے بھی زبردست نقصان پہنچا ہے اور وہ رقم بھی اس سات سو بلین ڈالر میں شامل ہے۔ اسی کے ساتھ وہ اضافی رقم بھی اس میں شامل ہے جو تیل نہ پیدا کرنے والے عرب ممالک کو زیادہ قیمت پر تیل خرید کر دینی پڑی۔ اسی طرح اس میں اس نقصان کی رقم بھی شامل ہے جو کویت کو اپنی تیل کی پیداوار بند ہوجانے سے برداشت کرنا پڑا ہے۔ تیل کی پیداوار و فروخت بند ہوجانے سے کویت کو اپنی جلا وطن حکومت چلانے کے لئے باہری بینکوں وغیرہ میں جمع اپنے اثاثہ میں سے جن کی قیمت تقریباً 100 بلین ڈالر تھی اچھا خاصا فروخت کرنا پڑا۔ اس رقم میں سے کچھ رقم بعد میں کویت کی تعمیر نو کے لئے بھی نکالی گئی۔

ڈاکٹر حماد کا یہ بھی کہنا ہے کہ تیل کی مستقل کم قیمت کی وجہ سے بھی عربوں کو نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ 1980ء میں عربوں کی تیل سے سالانہ آمدنی 217 بلین ڈالر تھی جو 1994ء میں گھٹ کر صرف 86 بلین ڈالر رہ گئی۔ عرب دنیا کے سامنے آج یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ بعضوں کے دباؤ کی وجہ سے انہیں اپنی تیل کی قیمت مسلسل کم رکھنی پڑ رہی ہے۔ ظاہر ہے کم آمدنی کی وجہ سے عرب ممالک کے بہت سے ترقیاتی کاموں کی تکمیل میں دیر ہورہی ہے اور اب پہلے جیسی سرگرمی بھی نظر نہیں آتی۔

امیر کویت

لیکن ڈاکٹر حماد کو امید ہے کہ موجودہ بحرانی کیفیت میں جلد ہی تبدیلی واقع ہوگی۔ ان کا کہنا ہے کہ تیل کی کھپت کرنے والے ممالک کے مطالبوں میں مزید اضافہ کی امید ہے۔ اس وقت پوری دنیا کے ممالک ہر روز 68.2 ملین بیرل تیل خرچ کرتے ہیں جس میں سے 25 ملین بیرل عرب ممالک فراہم کرتے ہیں۔ 2000ء تک تیل کی روزانہ پیداوار موجودہ 68.2 سے بڑھ کر 71 ملین بیرل ہوجائے گی۔ اور پھر 71 سے یہ بڑھ کر 2010ء تک 80 ملین بیرل روزانہ ہوجائے گی۔ اس روزانہ پیداوار میں اوپیک کا حصہ 33 سے 43 ملین بیرل روزانہ ہوسکتا ہے۔ ڈاکٹر حماد کا کہنا ہے کہ تیل کی اس اضافی پیداوار سے عربوں کی آمدنی میں مزید اضافہ کی پوری امید ہے۔ لیکن ڈاکٹر حماد نے یہ نہیں بتایا کہ اوپیک کے حالیہ شدید اختلافات اور بعض ممبروں پر امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک کے دباؤ کی وجہ سے تیل کی نہایت کم قیمت میں اضافہ کیسے ہوگا۔ دراصل عربوں کو مزید تیل نکالنے کے ساتھ اس کی قیمت میں اضافہ کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

پاکستانی وزیر خارجہ کہتے ہیں

کشمیر کا مسئلہ سیاسی ہے اسلامی نہیں

پاکستانی وزیر خارجہ سردار احمد آصف علی نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے فوجی طریقے اختیار کرنے کے سنگین خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان بشمول تکنیکی اور نیوکلیائی اقدامات کے تمام طریقے ہندوستانی جارحیت کا مقابلہ کرنے میں استعمال کر سکتا ہے تاہم انہوں نے اس سے انکار کیا کہ کشمیر میں حالیہ واقعات کے رونما ہونے کے بعد سے ہندوستان اسلام آباد کو دی جاتی رہنے والی جنگ کی دھمکیوں میں سنجیدہ ہے۔ وزیر خارجہ نے یہ بھی کہا کہ مسئلہ کشمیر ایک سیاسی قضیہ ہے اور سیاسی طریقوں سے ہی اسے حل کیا جانا چاہئے۔ کشمیر میں ہندو اور مسلمان فرقوں کے درمیان مذہبی جنگ چھڑنے کو خارج از امکان قرار دیتے ہوئے پاکستانی وزیر خارجہ نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کا واحد حل کشمیری عوام کی حق خودارادیت کے لئے رائے شماری میں ہے جس کے تحت وہ یہ طے کریں گے کہ وہ ہندوستان کی طرف رہیں گے یا پاکستان کی طرف یا آزاد رہنا چاہیں گے۔

1947ء میں تقسیم ہند، قیام پاکستان کے مقامی حاکم کی طرف سے کشمیر کے ہندوستان سے انضمام کی منظوری، وہاں ہندوستانی افواج کا تسلط، اس کے ساتھ ہی وہاں کے عوام کا مطالبہ آزادی اور کشمیر کے ایک حصے کی آزادی کے حوالے سے سردار احمد آصف علی نے بتایا کہ 1948ء میں ہندو پاکستان نے اقوام متحدہ کے روبرو کشمیر میں رائے شماری کرانا منظور کیا تھا اور اس کے بعد سے سلامتی کونسل کی متعدد یاددہانیوں کے باوجود وہاں رائے شماری نہیں کرائی جا سکی جس کے نتیجے میں کشمیری عوام کو شکایت پیدا ہوئی اور صورت حال بدتر ہوتی گئی۔ یہی نہیں بلکہ اس خطے میں اس دوران تین جنگوں میں ہند نے پاکستان پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی۔ اور اب ہندوستان کشمیر میں انتخابات کروا کر دنیا کی آنکھ میں دھول جھونکنا چاہتا ہے اور کشمیر میں گذشتہ انتخابات میں برتی گئی بے ایمانی کے خلاف عوام نے مظاہرے کئے تو ہندوستانی فوج ان کا قلع قمع کرنے کے لئے ٹوٹ پڑی۔ مقصد یہ تھا کہ انہوں نے اپنے دفاع کے حق کا مطالبہ کیا تھا۔

1985ء سے لے کر اب تک ہندوؤں نے چالیس ہزار سے زائد مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور کشمیر میں چھ ہزار فوجی یونٹ تعینات ہیں۔ اس 80 کلومیٹر لمبی اور تیس کلومیٹر چوڑی وادی میں تین لاکھ ہندوستانی سپاہی پھیلے ہوئے ہیں جو کہ دنیا کی تاریخ میں سب سے بڑا فوجی پڑاؤ ہے اور جس نے دونوں عالمی جنگوں کی مثال کو بھی دھندلا کر دیا ہے۔ بے قصور افراد کو گرفتار کر لینا، آبادیوں کا محاصرہ کر کے گھروں کی تلاشی لینا، عورتوں کو بے عزت و بے آبرو کرنا اور انہیں اغوا کرنا، پینے کے پانی، بجلی وغیرہ کی فراہمی کا سلسلہ منقطع کر دینا ہندوستانی فوجوں کا آئے دن کا کام ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا اثر یہ ہوگا کہ وہاں کی اقتصادی ترقی، سیاحت اور گھریلو صنعت معطل ہو کر رہ جائے گی۔

جب کشمیر کے مسلمان عوام ان المناک حالات پر تنقید کرتے ہیں تو ان پر ہندوستان کی طرف سے نہ صرف بنیاد پرست ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہیں پاکستان اور

فوج کے خلاف کشمیری مسلمانوں کا احتجاج

افغانستان کے مجاہدین کی مدد مل رہی ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ کیا کشمیر کے مجاہدین کے درمیان افغانی اور پاکستانی گوریلا بھی شامل ہیں۔ پاکستانی وزیر خارجہ نے یہ وضاحت کی کہ دونوں کشمیر کے درمیان تین سیکورٹی زون ہیں اور اس پوری سیکورٹی پٹی کے ہر ایک کلومیٹر کے فاصلے کے اندر نو سو ہندوستانی فوجی اور یوروپی ممالک سے تعلق رکھنے والے اقوام متحدہ کے 35 آبزرور موجود ہیں۔ اگر پاکستان اپنے آدمیوں کو کشمیر میں بھیجتا ہے تو یہ اقوام متحدہ کی فوج کا کام ہے کہ ان پر نظر رکھے۔

سردار احمد آصف علی کے سامنے یہ نکتہ رکھا گیا کہ کشمیریوں پر اپنے مظالم کا جواز ثابت کرنے کے لئے ہندوستان کشمیری مجاہدین کے ساتھ پاکستانی اور افغانی عناصر کی شرکت کا دعوا برابر کر رہا ہے کیا وہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح ہندوستان مسئلہ کشمیر سے دنیا کی توجہ کو ہٹانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ حقیقت تو یہی ہے کہ ہندوستان کشمیری انقلابیوں کے ساتھ ایک پاکستانی کی شرکت بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی کشمیری انقلابی مارا جاتا ہے تو اس کی تحویل سے جعلی پاکستانی پاسپورٹ اور دیگر کاغذات برآمد کر دیے جاتے ہیں جس سے کہ اس کو پاکستانی شناخت دی جا سکے۔ لیکن کیا یہ بات عقل میں آنے والی ہے کہ کوئی انقلابی یا دہشت گرد اپنے ساتھ پاسپورٹ اور دیگر کاغذات لے کر چلے گا۔ یہ سب ہندوستانی دعوے ہیں اور کاغذات کی جعلسازی کے ثبوت و دلائل مل چکے ہیں۔

اس سے کشمیر میں افغانیوں کی موجودگی سے انکار مقصود نہیں کیونکہ افغانستان کی جنگ میں بہت سے افغانی باشندے بے گھر ہو گئے اور وہ ہندوستان، پاکستان اور کشمیر میں موجود ہیں، افغانیوں کی کشمیر میں موجودگی سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ مشکل یہ ہے کہ کشمیر میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کی ذمہ داری ہندوستان سیدھے پاکستان پر ڈال دیتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں ورنہ وہ کشمیر میں اقوام متحدہ کے دو سو آبزرور متعین کرنے کے لئے ہماری تجویز کو مان لیتا۔ لیکن کشمیر کو باقی دنیا سے الگ رکھنے کی تمام تر کوشش کر رہا ہے۔ تاہم آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس کی کوششوں سے حال ہی میں اقوام متحدہ اور حقوق انسانی کے میدان میں کام کرنے والی غیر سرکاری تنظیموں کے مشاہدین بھیجنے پر آمادہ ہو گیا ہے اور کشمیری امور پر اقوام متحدہ کی رابطہ ٹیم نے نیویارک میں اپنی میٹنگ کے دوران کشمیر میں ہندوستان کے ہاتھوں حقوق انسانی کی مذمت کی۔

جب پاکستانی وزیر خارجہ کے سامنے اس خدشے کا اظہار کیا گیا کہ ہند و پاکستان کے درمیان تنازعہ کہیں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تصادم کی شکل تو اختیار نہیں کرے گا تو انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ مسئلہ کشمیر ایک سیاسی معاملہ ہے اور اسے سیاسی طریقوں سے ہی حل کیا جانا چاہئے۔ یہ مذہبی جنگ ہرگز نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں تقریباً تیس لاکھ ہندو آباد ہیں کیا پاکستان میں کوئی ہندو قتل کیا گیا۔ پاکستان کے ہندو اس کے شہری ہیں اور جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں وہ انہیں بھی حاصل ہیں۔ انہیں پاکستان کی جنرل اسمبلی میں نمائندگی بھی حاصل ہے۔ اقلیتوں کو تحفظ دینا ہمارا فرض ہے۔ اس کے برعکس آئے دن دیکھنے میں آتا ہے کہ مسلمان اور سکھ قتل کئے جاتے ہیں اور حکومت ہند کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی بلکہ خاموشی سے سارا تماشا دیکھتی رہتی ہے۔

کشمیر میں رائے شماری کے ذریعہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے اور اس صورت میں پاکستان مقبوضہ کشمیر سے پاکستان کی دست برداری کے امکان کے بارے میں موصوف نے کہا کہ کشمیر کا جو حصہ پاکستان میں ہے اس پر پاکستان کا قبضہ نہیں ہے بلکہ وہ آزاد کشمیر کی نمائندگی کرتا ہے اور کشمیر کے اس حصے میں باقاعدہ ایک سیاسی نظام ہے جس کے تحت پارلیمنٹ، وزیر اعظم، چیف جسٹس سب کچھ ہے۔ آزاد کشمیر کے عوام اپنا نظم و نسق خود چلاتے ہیں جب کہ ان کے خارجی، دفاعی اور مالی امور ہمارے ذمے ہیں۔ اس مسئلے کا حل اقوام متحدہ کی نظر میں یہ ہے کہ اس خطے میں ایک غیر جانبدار حاکم مقرر کیا جائے اور دونوں ملکوں سے اپنی فوجیں ہٹانے کا مطالبہ کیا جائے اور اس کے بعد اقوام متحدہ کی نگرانی میں رائے شماری کرائی جائے اور اس وقت کشمیری عوام کو ہندوستان یا پاکستان سے انضمام اور آزادی کے درمیان انتخاب و اختیار کا موقع مل سکے گا۔

●

بقیہ: - یہ کس کا لہو ہے ......

سناتے ہیں۔ اگر کسی جماعت کی طرف سے دھمکی دی جاتی ہے کہ سال نو کے موقع پر رقص و طرب کی مجلسیں نہیں سجیں گی، شراب و کباب کے دور نہیں چلیں گے اور نئے سال کی خوشیاں منانے کے نام پر فائیو اسٹار ہوٹلوں اور تفریح گاہوں کو عیاشی و فحاشی کا اڈہ نہیں بننے دیا جائے گا تو یہی پاکستانی جو خود کو مملکت خداداد کا شہری کہتے ہیں، سمندروں کے ساحل پر پہنچ جاتے ہیں اور وہاں بے حیائی کی محفلیں سجا کر مغربی اقدار کی نقالی کرتے اور اسلامی اقدار کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ شب و روز اور یہ سرگرمیاں اس بات کی علامت ہیں کہ پاکستان کی اکثریت رفتہ رفتہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئی ہے جہاں سے کفر و نفاق کی سرحدیں بہت دور نہیں ہیں۔

کہنے کو تو اس ملک میں بڑے بڑے اور قد آور علماء ہیں، پیروں اور فقیروں کا سلسلہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ سیاسی جماعتوں اور انقلابی قائدین کی بھی فوج ظفر موج ہے لیکن مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی میں ایک بھی ایسا شخص نہیں ہے جو اس ملک کو صحیح اسلامی قیادت دے سکے اور مملکت خداداد کو حقیقتاً مملکت خداداد کے روپ میں ڈھال سکے۔ جس کے نتیجے میں مغرب کی پروردہ اسلام بیزار خاتون جسے "دختر مشرق" کہا جاتا ہے، کے ہاتھ میں اتنی بڑی مملکت کی کمان آگئی ہے۔ بے چاری بے نظیر کو نہ تو اس بات کا شعور ہے کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے وہ کتنے بڑے روحانی ورثے کی امین ہے اور نہ ہی اسے اس بات کا احساس ہے کہ ایک عظیم مملکت کی قیادت دے کر اللہ تعالیٰ نے اسے خصوصی اعزاز سے نوازا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان رفتہ رفتہ حکمرانوں کی ذاتی حوصلہ مندی کی نذر ہو رہا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کی حوصلہ مندی نے ملک کو دولخت کیا تو اب بی بی بے نظیر مہاجروں پر مشتمل ایک نئی جغرافیائی شناخت کو ہوا دے رہی ہیں۔ کراچی میں آئے دن کے واقعات نے بانیان پاکستان کے دو قومی نظریہ کے تصور کو بھی پاش پاش کر دیا ہے۔

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اس قتل و خوں ریزی کی ذمہ دار بے نظیر ہیں یا الطاف حسین، اصل سوال یہ ہے کہ خون کس کا بہہ رہا ہے؟ کیا اہلیان کراچی کو وہ حدیث یاد نہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی بے گناہ مسلمان کا قاتل جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اس قتل و خوں ریزی کی ذمہ دار بے نظیر ہیں یا الطاف حسین، اصل سوال یہ ہے کہ خون کس کا بہہ رہا ہے؟ کیا اہالیان کراچی کو وہ حدیث یاد نہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی بے گناہ مسلمان کا قاتل جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔

●

ان کی تکفیر کی توپ سے کوئی بچا نہیں

اردو کے مشہور شاعر محمد علوی کو ان کے مجموعہ کلام "چوتھا آسمان" کے دو اشعار کی بنا پر "کافر" قرار دے دیا گیا ہے۔ سچ پوچھئے تو ملاؤں کی تکفیر کی توپ سے کوئی بچا نہیں خواہ سر سید احمد خاں ہوں یا ڈاکٹر اقبال، حتیٰ کہ مسلمان کہلانے والوں کا ہر فرقہ اپنے مخالف فرقہ کی نظر میں "کافر" ہی ہے!

بہرحال شاعر موصوف محمد علوی کے متعلق دلی ہی کے ایک عالم دین جو اتفاق سے شاعر بھی ہیں نے ریمارک پاس کیا ہے کہ:

"محمد علوی کے ان دونوں اشعار میں کافرانہ خیالات کا اظہار تو کیا گیا ہے مگر پوری اردو شاعری اسی طرح کے اشعار سے بھری پڑی ہے"

پتہ نہیں اس سے محمد علوی کی مدافعت مقصود ہے یا مخالفت مطلوب؟ ویسے اردو اور فارسی دونوں شاعری میں اس قسم کے اشعار و افکار بھرے پڑے ہیں!

پلا اور اس طرح کی پلا کہ کاستائیں ہوں مرے بس میں

یہ نشہ اتنا بڑھا دے کہ خود کو اک دن پروردگار کہہ دوں!

یہ حضرات فارسی کا ایک مقولہ "شاعری جزویست پیغمبری" کی بنا پر اول فول بکنے کا خود کو "مجاز" سمجھتے ہیں! یہاں مجھے یوپی کے ایک نامی گرامی وزیر شری کا ٹجو (فارسی کا اسکالر) کا واقعہ یاد آگیا، جنہیں کلکتہ کے مسلمانوں کے ایک جلسہ میں صدر منتخب کیا گیا تھا۔ جلسہ میں مشہور و معروف علماء، صحافی اور دانشوروں کا طبقہ بھی موجود تھا۔ آنجہانی وزیر موصوف نے خاص کر مسلمانوں کو مخاطب کرکے بہ بانگ دہل للکارا اور دھتکارا تھا کہ:

"مسلمانو! قرآن کی ساری باتیں ماننے ہی کی نہیں ہیں، بلکہ اس میں کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو پھینک دینے یا چھوڑ دینے کے قابل بھی ہیں! (العیاذ باللہ) یہ میرا ذاتی خیال نہیں ہے بلکہ خود آپ (مسلمانوں) ہی کے ایک معزز و معتبر اور مقتدر بزرگ کا قول ہے!

۔ ما ز قرآں مغز را برداشتیم

استخواں پیش سگاں انداختیم!"

یہ مصرعہ سنتے ہی مسلمانوں کو سانپ سونگھ گیا تھا اور کوئی بھی اس وقت تردید میں ایک لفظ بول نہ سکا اور نہ اب ہی بول سکیں گے۔ چونکہ "خطائے بزرگاں گرفتن خطا است" کے سبھی قائل اور اس پر مائل بلکہ عامل بھی ہیں الا ماشاء اللہ۔ قرآن پاک نے شاعری کی حقیقت بھی کھول دی اور نصیحت کردی ہے۔

(القرآن) اور شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں اپنا سر پھوڑتے رہتے ہیں؟ (شعراء)

حاصل کلام یہ کہ قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف، آج تک جتنے بھی دل آزار لٹریچر لکھے گئے ہیں یا دلخراش تقریریں کی جاتی رہی ہیں، انہیں مواد دراصل ہمارے ہی بزرگوں نے فراہم کیا ہے! لیکن اس کا کیا علاج؟

آپ اپنے عیب سے ہوتا نہیں واقف کوئی

جیسے بو اپنے دہن کی آتی ہے کم ناک میں!

مظفر حسین (خطیب مسجد) بازار، حاجی گلی،
مدھوپور (دیوگھر) بہار

شیر شاہ سوری کے مقبرہ کو مندر بنانے کی سازش

سلطان الہند فریدالدین شیر ساہ سوری کا سہسرام میں واقع مقبرہ محکمہ آثار قدیمہ کی تنگ نظری اور فرقہ پرستوں کی جانب سے اسے مندر میں تبدیل کرنے کی کوشش سے تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا ہے۔

آج سے 112 سال قبل انگریز وائسرائے جارج فریڈرک نے اس مقبرہ کی مرمت کرائی تھی اور جب ہی سے یہ سیاحوں کے لئے پرکشش مقام بن گیا ہے لیکن آج حالت یہ ہے کہ 160 ایکڑ سے زائد اراضی میں واقع یہ مقبرہ اپنے ہی ملک کی جمہوری حکومتوں اور فرقہ پرست عناصر کے ظلم کی مرثیہ خوانی کررہا ہے۔ اس کی دیواروں میں جگہ جگہ شگاف پڑگئے ہیں، چھتیں چیخ گئی ہیں اور گنبد و مینار سیاہ پڑگئے ہیں اتنا ہی نہیں آثار قدیمہ کا عملہ مقبرہ کے اندر شیرشاہ کی اصل آرام گاہ کے درودیوار پر قرآنی آیات کو کھرچ کھرچ کر مٹانے کی ناپاک کوششوں میں مصروف ہے۔ ساتھ ہی مقبرہ میں جانے والے صدر دروازہ کو مخدوش قرار دے دیا گیا ہے اسی پر بس نہیں، مسلم زائرین اور سیاحوں کی آمد و رفت پر طرح طرح کی بندشیں قائم کردی گئی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف گذشتہ چند سالوں سے مقبرہ کے اندر واقع تالاب میں مورتی وسرجن ایک معمول بن گیا ہے۔ ساتھ ہی کچھ شرپسندوں نے کئی سال قبل تالاب کے کنارے پر جبرا ایک مندر تعمیر کردیا ہے۔ اب دھیرے دھیرے اس کی توسیع کی ناپاک سازش کی جارہی ہے۔ قبرستان میں شرپسند عناصر نے غلاظت اور فضلے کا ڈھیر لگا دیا ہے۔ جب مسلمان اسے صاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو انہیں گرفتاری کی دھمکی دی جاتی ہے اور مزاحمت کرنے پر ان کے خلاف مقدمے درج کئے جاتے ہیں۔

اسی ضمن میں تحفظ قبرستان کمیٹی سہسرام کے صدر محمد قلمدار نے گورنر بہار ڈاکٹر اخلاق الرحمان قدوائی کو ایک عرضداشت دے کر اس تاریخی مقبرہ کو محفوظ کرنے کی فریاد کی تھی۔

قابل ذکر امر یہ ہے کہ 26 فروری 1992ء کو پٹیل جینتی کے موقع پر سہسرام میں شیر شاہ پارک کی سنگ بنیاد کی تقریب میں وزیراعلی مسٹر لالو پرشاد نے خود اعلان کیا تھا کہ اس تاریخی عمارت کا پوری طرح رکھ رکھاؤ کیا جائے گا اور مقبرہ کے اندر تالاب میں گندگی پھیلانے اور مندر کی توسیع کی اجازت نہیں دی جائے گی لیکن وزیراعلی کا یہ وعدہ آج تک عملی صورت اختیار نہیں کرسکا ہے۔ دریں اثنا گورنر ڈاکٹر اخلاق الرحمان قدوائی نے ایک مشاعرے کا افتتاح شمع روشن کرکے کیا اور سامعین سے خطاب کرتے ہوئے شیر شاہ ویلفیر سوسائٹی کے اس اقدام کی بھرپور ستائش کی۔ ڈاکٹر اخلاق الرحمان قدوائی نے کہا کہ زندہ قومیں اپنے اسلاف کو یاد رکھتی ہیں اور ان کے نقش قدم پر چل کر مستقبل کی راہ اختیار کرتی ہیں۔ سلطان معظم شیر شاہ سوری ایسے جلیل القدر اور قابل احترام بادشاہ تھے جنہوں نے بلاامتیاز مذہب و ملت اپنے مختصر دور حکومت میں انسانیت کی فلاح کے لئے جو کارنامے انجام دیئے وہ آج بھی ناقابل فراموش ہیں

حیدر امام صدیقی
سہسرام (بہار)

دہشت گردی مغربی اقوام کے آئینہ میں

یوروپی اقوام نے عالمی پولیس مین امریکہ کی زیر قیادت دہشت گردی کے خلاف عالمگیر مہم چھیڑ رکھی ہے اور ہر وہ کام جو ان کے مفادات کے خلاف ہے، اسی زمرہ میں شامل کیا جارہا ہے۔ حتی کہ ایک ملک کے بعد دوسرا ملک اس کی زد میں لایا جارہا ہے۔ جن ممالک میں اسرائیل اور امریکہ کے خلاف افراد پائے جاتے ہیں، انہیں بین الاقوامی پابندیوں کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ وہ دہشت گردوں کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ایک اسلامی ملک ایران کو اس کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ لیکن کیا دہشت گردی کا وہ پیمانہ مبنی بر انصاف ہے جو امریکہ دوسروں پر تھوپ رہا ہے؟۔

موجودہ صدر امریکہ بل کلنٹن جنہیں یہودی لابی ان کی بیگم ہلیری کلنٹن کی معرفت گذشتہ پندرہ سال سے امریکہ کا صدر بنانے کے لئے پال رہی تھی، کیا دہشت گرد نہیں ہیں۔ جنہوں نے عراق پر بلا کسی قصور کے تین مرتبہ میزائلوں سے بمباری کی اور نہتے عوام پر راکٹ برسائے جس کے نتیجے میں عراق کی سرکاری عمارتیں، عوام کے رہائشی مکان، اسپتال اور اسکول تباہ ہوئے اور ان گنت جانی و مالی نقصان ہوا۔ صدر امریکہ جن کی شہ پر اسرائیل نے لبنان کی حزب اللہ تنظیم پر ایک ہفتہ تک اعلانیہ بمباری کی اور تین چار لاکھ مسلمانوں کو بے گھر کرکے مہاجر بننے پر مجبور کردیا اور سینکڑوں انسانوں کو ہلاک کیا، اپنے آپ کو امن کا ہیرو بناکر پیش کر رہا ہے۔ اسرائیل انتہائی ہٹ دھرمی سے یروشلم میں یہودی بستیاں بساتا چلا جارہا ہے اور جب اس کی اس بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی پر مبنی حرکت پر اقوام متحدہ میں قرارداد پیش کی جاتی ہے تو امریکہ انتہائی بے غیرتی کے ساتھ اسے ویٹو کردیتا

اگر تاریخ کے اوراق پلٹیں تو کوئی دور ایسا نہیں ملتا کہ جب یوروپ بالخصوص امریکہ دہشت گرد نہیں تھا اور اب بھی یہی سلسلہ جاری ہے۔ ہم آزاد ملکوں میں اس لئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں کہ مغرب کی غلامی کریں۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ سیاسی اور مذہبی دونوں فورموں سے امریکہ کی دہشت گردی کی حرکت پر مذمتی قرارداد پاس کرکے اقوام متحدہ کو بھیجیں بلکہ اس کے لئے رائے عامہ کو بھی تیار کریں۔ یہ بھی قانون کے ماہرین کو دیکھنا چاہئے کہ امریکہ کی جگہ جگہ دہشت گردی کے خلاف جس میں برطانیہ، فرانس اور اب روس بھی شامل ہے، عالمی عدالت میں مقدمات قائم کرنے کا جواز ہے یا نہیں؟

سید افتخار احمد
چاند پور، بجنور (یوپی)

بقیہ: دستور اور مسلمان.......

بات کی مجاز ہوگئی کہ وہ سارے ہندوستانیوں کے لئے یکساں سول کوڈ لاگو کرسکے تو اس وقت اس آرٹیکل کی مسلمان ارکان نے شدت سے مخالفت کرکے مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دینے کی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ یہ آرٹیکل بنیادی حقوق کے آرٹیکل 25 کے صریح خلاف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تمام افراد اپنے ضمیر کی آزادی اور اپنے مذہب پر آزادی سے عمل پیرا ہونے اور اس کا پرچار کرنے کے حقدار ہیں۔ اندرا گاندھی اور راجیو گاندھی کے دور حکومت میں آرٹیکل 25 کو بے اثر کرنے کے لئے یہ دلیل دی گئی کہ اگر متعلقہ فرقہ کے لوگ خود اپنے پرسنل لا میں ترمیم یا اس کی منسوخی کا مطالبہ کریں تو حکومت یکساں سول کوڈ نافذ کرنے پر مجبور ہوجائے گی۔ مسلمانوں نے بارہا مطالبہ کیا کہ انہیں آرٹیکل 44 سے مستثنیٰ قرار دیا جائے کیونکہ یہ آرٹیکل مداخلت فی الدین ہے لیکن ہر بار حکومت ہند نے ہندو احیاء پرستوں اور ترقی پسندوں کو خوش رکھنے کے لئے حیلہ سازی سے مسلمانوں کو ٹال دیا۔ شاہ بانو کیس میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی سفارشات کو کالعدم کرنے کے لئے ایک سو ایک مسلم دانشوروں کی دستخط سے راجیو گاندھی کو ایک میمورنڈم پیش کیا گیا۔ لیکن مسلمانوں کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر راجیو گاندھی نے مسلم پرسنل لا بورڈ کی سفارشات کو قبول کرلیا۔

دفعہ 44 کی طرح اسپیشل میرج ایکٹ بھی دین میں مداخلت کا حکم رکھتا ہے۔ یہ قانون 1954ء میں بنایا گیا۔ اس کی رو سے جانبین کا ہم مذہب ہونا ضروری ہے اور نہ ہی نکاح کے انعقاد کے لئے کسی مذہبی رسم کا ادا کرنا۔ صرف حکومت کے ایک عہدیدار کے روبرو یہ تحریری اقرار کافی ہے کہ طرفین قانوناً میاں بیوی بن چکے ہیں۔ اس کے علاوہ قانون وراثت راست طور پر شریعت سے متصادم ہے۔ مسلمانوں کو دراصل قانون وراثت، استحقاق جائداد، طلاق، لے پالک بل، قانون وقف اور نکاح کے غیر اسلامی قوانین پر شدید اعتراض ہے۔ کیونکہ یہ اسلام کے رہنمایانہ اصول کے مطابق نہیں ہیں۔

یہ مسلمان سبق لیں

اترپردیش کی اسمبلی میں بہوجن سماج پارٹی ایک ایسی پارٹی ہے جس کے اپنے ممبران کی تعداد ایوان کے ممبران کی کل تعداد کے آٹھویں حصہ سے بھی کم ہے۔ بہوجن سماج پارٹی نے اترپردیش میں بی جے پی کی حمایت سے اپنی حکومت تشکیل دے کر پورے ملک میں ایک ہلچل مچادی ہے۔

بابری مسجد کو شہید کرنے کے جرم میں ملوث چالیس افراد پر لکھنؤ کی عدالت میں مقدمہ چل رہا

دہلی کے تخت پر

قبضہ جمانے کے لئے آئندہ سال لوک سبھا انتخابات میں بی ایس پی اور بی جے پی کے درمیان سیٹوں پر انتخابی مفاہمت کا بھی امکان ہے۔ 1991ء کے انتخابات میں بی جے پی نے اپنے انتخابی منشور میں مسلمانوں کو اعلی عہدوں سے سبکدوش کرنے اور بابری مسجد کی جگہ رام مندر تعمیر کرانے کا اعلان کیا تھا سومس مایاوتی نے وزیراعلی بنتے ہی اپنی حلف برداری کے دوسرے ہی دن مسٹر جاوید عثمانی کو اپنے سکریٹریٹ سے ہٹاکر ان کی جگہ شری نیت رام کو سکریٹریٹ میں لے کر بی جے پی کو خوش کردیا ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ مسلمان سبق حاصل کریں اور متحد ہوکر لائحہ عمل تیار کریں۔

القاضی محمد ساجد الحق صدیقی
کوٹھی اطانس میرٹھ شہر (یوپی)

شہر بھدرک میں "یوم اردو" کا آغاز

گذشتہ دنوں شہر بھدرک کے نارائن چندر ہائی اسکول میں ایک نوزائیدہ تنظیم "اردو لٹریری اینڈ کلچرل ایسوسی ایشن (الکا)" کے زیر اہتمام بھدرک میں پہلی مرتبہ "یوم اردو" کا اہتمام کیا گیا۔ اس تقریب کی صدارت جناب ڈاکٹر مشتاق احمد (آفس انچارج، یونانی میڈیکل) نے کی۔ معزز مہمان گرامی کی حیثیت سے جناب ڈاکٹر محمد کمال، جناب ستیندر بنرجی، جناب رتناکر بارک نے شرکت کرنے کے ساتھ ساتھ تنظیم کی جانب سے دئے گئے عنوان "اردو: ماضی، حال اور مستقبل" کے آئینے میں بھرپور روشنی ڈالی۔

نور مجسم
سکریٹری اردو لٹریری اینڈ کلچرل ایسوسی ایشن
بھدرک (اڑیسہ)

بی جے پی سے بی ایس پی کا سمجھوتہ یا دلت تحریک سے غداری

معاصر صحافت کے اس کالم میں ہم مسلم معاملات، سیاسی حالات اور دوسرے اہم موضوعات پر معروف اہل قلم اور صحافیوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ یہ مضامین ہم مختلف قومی اخبارات سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین دوسرے اخبارات کے قلم کاروں کے نظریات و خیالات سے واقف ہو سکیں اور یہ جان سکیں کہ دوسری زبانوں کے اخبارات مذکورہ معاملات پر کیا موقف اختیار کر رہے ہیں۔

عیاری ہندوستانی سیاستدانوں کا عام پیشہ ہے۔ ان کی زبان کا کوئی اعتبار نہیں۔ ان کی دوستی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ان عوام سے ہی وہ مستقل جھوٹ بولتے رہتے ہیں جن کے ووٹوں اور ٹیکس پر نہ صرف زندہ ہیں بلکہ ان کے سامنے بڑی شان و شوکت سے اپنی پارسائی کا اعلان بھی کرتے ہیں۔ ہندوستانی سیاستدانوں کی یہی شان امتیازی ہے۔ اس میں نظریہ، جنس، طبقہ، ذات اور مذہب کی تفریق کوئی معنی نہیں رکھتی۔ مختلف پارٹیوں سے تعلق رکھنے اور مختلف مقاصد کی نمائندگی کرنے والے تمام سیاستدانوں کا یہی حال ہے۔ ان کے کردار کی یہ مشترک خصوصیات عوام کے ذہنوں میں ان کے خلاف صرف نفرت و حقارت ہی پیدا کرتی ہیں۔

ایسے پرآشوب ماحول میں اترپردیش میں نئی حکومت کی تشکیل یقیناً حیرت انگیز ہے۔

ان واقعات کی دوہری اہمیت اس بناء پر ہے کہ ملک میں پہلی بار کہیں دلت حکومت قائم ہوئی اور وہ بھی ہندوستان کے سب سے بڑے کثیر ترین آبادی اور سیاسی طور پر اہم ترین صوبے میں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ سمجھوتہ دلتوں کی نمائندہ جماعت بی ایس پی کا ہندتو کا نعرہ دینے والی جماعت سے ہے جو ذات پات کے نظام کا تحفظ کرنا چاہتی ہے۔ گویا حالات کے جبر نے اس غیر قدرتی سمجھوتے کی نوبت تک پہنچایا ہے۔ سنگھ خاندان کے لیڈروں کی طرف سے ایسی کوئی بات نہیں کہی گئی ہے کہ ان کی جماعت ذات پات کے نظام کے خاتمے کے لئے کوئی اقدام کرے گی کیونکہ اگر وہ اس نظام کے خاتمے کے حق میں دلائل پیش کرنے لگی تو وہ اس طرح اپنے ہی ہاتھوں ہندو سماج کے ایک ستون کو گرادے گی اور ذات پات کے نظام کو خود ہی ختم کردے گی۔ مزید یہ کہ اترپردیش میں بی جے پی کی حمایت کا سارا دارومدار اونچی ذاتوں پر ہی ہے۔

> موصوفہ نے ڈاکٹر ابیڈکر اور دلت تحریک کے اصولوں کا دو طرح سے مذاق اڑایا ہے۔ وہ ہندتو کی طاقتوں کو اپنے سب سے بڑے دشمن کے بجائے ہمدرد سمجھ بیٹھی ہیں اور اس خوش فہمی میں ہیں کہ دلتوں کو بااختیر بنانے کے منصوبہ کو ہندتو کو اپنا دوست سمجھ کر آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔

مایاوتی کو اڈوانی کی رام رام

ہندوستانی سماج میں بیسویں صدی کے دوران پسماندہ طبقوں کو باوقار و بااختیار بنانے کے سلسلے میں برصغیر میں مختلف سطحوں پر کئی تحریکوں نے سر ابھارا۔ دلت تحریک کی ہندو سماج اور قومی سیاست کے اصل دھارے کے خلاف جدوجہد کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ یہ سیاست دلتوں کی امیدوں پر کبھی پوری نہ اتری۔ لیکن تحریک کے کسی بھی مرحلہ پر اس لمحے کی پیش بینی کوئی نہ کرسکا جب ایک دلت گروہ ہندو ازم کے بنیادی اصولوں کی حامی ایک جماعت کی حمایت سے برسراقتدار آجائے گا۔ مایاوتی جی کی وزارت اعلیٰ کا مضحکہ خیز پہلو یہی ہے کہ انہوں نے دلتوں کے بدترین دشمن کی مدد سے دلتوں کو بااختیار بنانے کی سمت میں قدم اٹھایا ہے

دلت تحریک نے ہمیشہ ہندو ازم کو اپنا اولین دشمن سمجھا ہے اور ڈاکٹر ابیڈکر نے ہمیشہ یہی کہا کہ اچھوت لوگوں کا تعلق اسی مذہب سے ہوسکتا ہے جو اونچی ذات کے ہندوؤں کا مذہب ہے لیکن وہ دونوں ایک ہی سماج کے افراد نہیں ہوسکتے۔ ان کا صاف اشارہ برہمنوں کی طرف تھا جن کے ظلم و استحصال کا شکار اچھوت ہوتے رہے۔

ڈاکٹر ابیڈکر کی موت کے چالیس سال بعد بھی ان کا یہ تجزیہ اپنی جگہ برحق ہے۔ نچلی ذاتوں کا استحصال آج بھی اسی طرح ہورہا ہے۔ ڈاکٹر ابیڈکر کا یہ خیال درست تھا کہ دلتوں کے لئے جس باوقار زندگی کی جدوجہد وہ کر رہے ہیں وہ ہندوستانی سماج کے دائرہ کار میں مفقود ہے اور ذاتی سطح پر انہوں نے بدھ مذہب کا رخ کیا۔ تاہم انہوں نے محسوس کیا کہ دلتوں کی بدقسمتی کا اجتماعی حل یہ ہے کہ انہیں زیادہ تعلیم، تنظیم اور تحریک کی صلاحیتوں سے آراستہ کیا جائے اور سیاسی اختیار میں زیادہ موثر کردار ادا کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔

موصوفہ نے ڈاکٹر ابیڈکر اور دلت تحریک کے اصولوں کا دو طرح سے مذاق اڑایا ہے۔ وہ ہندتو کی طاقتوں کو اپنے سب سے بڑے دشمن کے بجائے ہمدرد سمجھ بیٹھی ہیں اور اس خوش فہمی میں ہیں کہ دلتوں کو بااختیار بنانے کے منصوبہ کو ہندتو کو اپنا دوست سمجھ کر آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔ اس طرح انہوں نے ڈاکٹر ابیڈکر کے اس عملی اصول کو ایک کنارے رکھ دیا ہے کہ ہندو ازم میں اچھوتوں کی امیدوں کی تکمیل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

شماریاتی سطح پر بھی اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ بی ایس پی کے 69 اور بی جے پی کے 177 ایم ایل اے ہیں تو اول الذکر کو موثر سیاسی طاقت کی حیثیت حاصل نہیں ہوگی۔ اس کے ایجنڈے ہمیشہ تعداد میں مضبوط پارٹی کی منظوری کے محتاج ہوں گے اور جوں ہی وہ ہندو ازم کے اصولوں کے خلاف کوئی بات کہے گی بی جے پی وہیں زبان پکڑے گی۔ دلتوں کو سیاسی اختیار ملا تو ہے لیکن اپنی حیثیت کو بہتر بنانے اور دشمن کو کم حیثیت بنانے کے اختیار کے بغیر۔ مایاوتی جی کی وزارت اعلیٰ نے دلتوں کی خدمت کارانہ یا ذیلی حیثیت کو مستحکم کردیا ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ)
تحریر۔ آر۔ مکھرجی

پنڈت مدن موہن مالویہ، پنڈت دین دیال اپادھیائے، ڈاکٹر شیاما پرشاد مکھرجی اور بالا صاحب دیورس وغیرہ دیکھتے آئے ہیں اور اب یہی خواب پروفیسر راجیندر سنگھ، بلراج مدھوک، پی این اوک، لال کرشن آڈوانی اور سنگھ پریوار و ہندو مہا سبھا سے وابستہ دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی کروٹیں لے رہا ہے۔ اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے سنگھ پریوار کے نزدیک سب سے پہلی شرط اقتدار پر قابض ہونا ہے اور اس کی کوشش عرصہ دراز سے چل رہی ہے۔

اب حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے سنگھ پریوار نے آخری جست لگا دی ہے۔ یکساں سول کوڈ کا ہتھیار لے کر سویم سیوکم میدان میں کود پڑے ہیں۔

ہندوستان میں آر ایس ایس کے نظریات کے رائج ہونے کا جہاں تک سوال ہے تو ملک کے آزاد ہونے سے لے کر آج تک کے حالات کے تناظر میں اس کی متعدد مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ بابری مسجد اور چرار شریف کے واقعات و سانحات تو ابھی تازہ بہ تازہ ہیں۔ آزادی کے فوراً بعد ہماری حکومت نے جس کام کو قومی اور ملکی فریضہ تصور کرکے انجام دیا تھا وہ تھا سومناتھ مندر کی تعمیر نو۔ اس کی تعمیر کے لئے نہ صرف سرکاری سطح پر تیاریاں کی گئیں بلکہ ہر شہری کی اس تعمیر میں شرکت کو لازم اور ناگزیر قرار دینے کے لئے عوام پر ٹیکس عائد کئے گئے۔ خود اس وقت کے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے اس تقریب میں شرکت کی اور اس وقت کے وزیر داخلہ سردار پٹیل نے بڑھ چڑھ کر مندر کی تعمیر میں حصہ لیا۔ ایک ایسے اسٹیٹ میں جہاں ملک اور حکومت کا کوئی مذہب نہ ہو جس کی عمارت کی بنیاد سیکولرزم پر ہو، ایسے اقدامات کی گنجائش کہاں تک ہے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہوں، کسی خاص مذہب کی عبادت گاہ کی تعمیر میں تمام شہریوں کو شرکت کے لئے مجبور کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ اور اس قدم سے کس نظریہ کی عکاسی ہوتی ہے ہندو ازم کی یا سیکولرزم کی؟

آزادی کے تقریباً دس سال بعد یعنی 58-1957، میں مدراس حکومت کی جانب سے ہندو مذہب پر جاری کی جانے والی ایک رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ 62 مندروں کی مرمت کے لئے مدراس حکومت نے چار لاکھ روپے خرچ کئے تھے۔ یہ واقعہ بھی ہندوستان کے سیکولر ہونے کی وکالت کرنے والوں کے رخسار پر زناٹے دار تھپڑ سے کم نہیں ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ ہندوستان کو ایک سیکولر اسٹیٹ بنایا ضرور گیا مگر عملی طور پر آر ایس ایس کے نظریات ہی ہر جگہ حاوی ہیں اور ان میں اصلاح کرنے کی نہ کبھی کسی نے ضرورت محسوس کی اور نہ ہی اس سمت میں کوئی قدم اٹھایا گیا۔

آج سرکاری تقریبا کا آغاز ناریل پھوڑ کر کیا جاتا ہے جسے کسی بھی طرح ہندو مذہب یا ہندو سنسکرتی سے جدا کوئی رسم نہیں گردانا جاسکتا۔ پولیس اسٹیشنوں، اسپتالوں اور ان دوسرے محکموں کے احاطے میں جو خالصتاً سرکاری نوعیت کے ہوتے ہیں، ایک عدد ہنومان کی مورتی یا کسی نہ کسی دیوی دیوتا کا مندر ضرور مل جائے گا۔ دہلی میں واقع جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے شعبہ ماس کمیونی کیشن کے گیٹ پر سرسوتی کی مورتی نصب ہے۔ آخر یہ سب کس "ازم" کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور ملک میں کس نظریے کے رائج ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

یکساں سول کوڈ سے متعلق سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد ہندو احیاپسند جماعتیں سرگرم ہوگئی ہیں۔ انہیں ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ یہ حربہ انہیں مرکزی اقتدار کے ایوان تک پہنچانے میں معاون و مددگار ثابت ہوگا۔ اس لئے وہ آئندہ عام انتخابات میں اسے انتخابی ایشو بنانے کی تیاری کر رہی ہیں۔ گویا یکساں سول کوڈ کی تلوار مسلمانوں کے سروں پر پھر لٹک گئی ہے۔ اس سے اسی صورت میں نجات مل سکتی ہے جب فاشسٹ جماعتوں کو کسی بھی ممکن طریقے سے اقتدار سے دور رکھا جائے اور مسلمان اس سلسلے میں اہم رول ادا کرسکتے ہیں۔

مناسب رشتے

ہندوستانی فوج میں کیپٹن (عمر 27 سال، قد 170 سینٹی میٹر) کے لئے ترجیحاً صدیقی یا فاروقی گھرانے کی لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ تصویر کے ہمراہ مراسلت کریں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 202

پی ایچ ڈی ڈگری یافتہ سائنٹسٹ (عمر 33 سال) کے لئے سنی خاندان، تعلیم یافتہ اور مذہبی رجحان کی لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ شادی جلد کرنی ہے۔ بشرط واپسی تصویر ارسال فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 203

سنی شیخ گھرانے کے سادگی پسند، تجارت پیشہ لڑکے (عمر 28 سال، قد 164 سینٹی میٹر) کے لئے جس کا صاف ستھری کالونی میں ذاتی فلیٹ ہے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 204

مہذب خاندان کے تعلیم یافتہ، خوبرو (عمر 27 سال، قد 160 سینٹی میٹر) لڑکے کے لئے جو اپنا انسٹی ٹیوٹ چلا رہا ہے موزوں رشتہ درکار ہے۔ بشرط واپسی تصویر ارسال فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 205

بی اے ایم بی اے کمپنی ایکزیکیٹیو (عمر 26 سال، قد 174 سینٹی میٹر) کے لئے معزز خاندان، خوبصورت دراز قد، مذہبی رجحان کی مہذب لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ تفصیلات اور تصویر ارسال فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 206

ذاتی مطب رکھنے والے خوشحال گھرانے کے خوبرو بی ایس سی، بی یو ایم ایس ڈاکٹر (عمر 25 سال) کے لئے کھاتے پیتے، سنی گھرانے کی کنواری تعلیم یافتہ لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 207

خلیج میں انٹرنیشنل ایرلائن میں بہت اچھے عہدے پر فائز خوش شکل شخص (عمر 41 سال) کے لئے مہذب خاندان کی کنونٹ کی تعلیم یافتہ 33 سال کی عمر تک کی واقعی دلکش اور حسین لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ پوری تفصیل کے ساتھ فون نمبر بھی تحریر فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 208

جنوب مشرقی ایشیا میں ملازم، سنی مسلم گریجویٹ انجینئر (عمر 28 سال، قد 178 سینٹی میٹر) کے لئے گریجویٹ لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 209

بمبئی میں مقیم اعلیٰ تعلیم یافتہ مذہبی رجحان رکھنے والے خوش شکل، سنی مسلمان، تاجر (عمر 37 سال) کے لئے جس کی آمدنی چھ عدد میں ہے اور جنوبی بمبئی میں ذاتی جائداد اور مرکزی بمبئی میں اکزیکٹیو فلیٹ کا مالک ہے اور مشترک خاندان کی پابندیوں سے آزاد ہے خوبصورت، دراز قد، کنونٹ کی تعلیم یافتہ اور ترجیحاً مذہبی رجحان کی لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ تفصیل کے ساتھ بشرط واپسی تازہ تصویر بھی ارسال فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 210

بمبئی میں مقیم مہذب سنی خاندان سے تعلق رکھنے والے کویت میں اونچی تنخواہ پر ملازم انجینئر (بی۔ ای میکنیکل، عمر 31 سال، قد 172 سینٹی میٹر) کے لئے 23 سے 26 سال کی پروفیشنل تعلیم یافتہ لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ خواہش مند حضرات تصویر کے ہمراہ فوراً رابطہ قائم کریں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 211

معزز و مہذب اور خدا ترس سنی خاندان کے بی کام نوجوان (عمر 24 سال، قد 177 سینٹی میٹر) کے لئے معزز خاندان کی کنونٹ کی تعلیم یافتہ خوبصورت اور خوش اخلاق لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 212

اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مالی طور پر آسودہ سنی مسلم (عمر 35 سال) کے لئے کنواری / بیوہ / مطلقہ یا اولاد یا بے اولاد سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 213

سنی مسلم کلاس ون افسر کے انجینئر بیٹے (عمر 27 سال، قد 178 سینٹی میٹر) کے لئے جو شپنگ کارپوریشن آف انڈیا میں ملازم ہے اور چوبیس ہزار روپے تنخواہ پاتا ہے صرف ڈاکٹر لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ پوری تفصیل، تصویر اور خاندانی کوائف سے آگاہ فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 214

بمبئی میں مقیم خاندان کے سنی، مسلم انجینئر (ڈگری ڈی ایم ای، اے ایم آئی، ایم ای (عمر 34 سال، قد ساڑھے پانچ فٹ) کے لئے جس کی آمدنی چودہ ہزار روپے ہے خوبصورت تعلیم یافتہ لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 215

پٹھان گھرانے کے انجینئر (ڈگری پی ایس یو، عمر 29 سال، آمدنی نو ہزار روپے) کے لئے خوبصورت، تعلیم یافتہ لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 216

اترپردیش کے متوسط طبقے کے بھوپال میں مقیم سنی انصاری خاندان کے مذہبی اور ذہین نوجوان (عمر 26 سال) کے لئے جس کا ذاتی کلینک ہے ترجیحاً ڈاکٹر لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ خواہش مند حضرات بشرط واپسی تصویر روانہ فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 217

ایم ایس سی، بی ایڈ، ایم فل سنی لڑکی (عمر 24 سال، قد 163 سینٹی میٹر کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ تفصیل کے ساتھ تصویر بھی ارسال فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 218

سنی خاندان کی گورنمنٹ اسکول میں ایم اے بی ایڈ معلمہ (عمر 26 سال، قد 156 سینٹی میٹر، تنخواہ 3400 روپئے) کے لئے رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکی کے والد ریٹائرڈ گزیٹڈ افسر ہیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 219

سنی مسلم خاندان کی خوبصورت نیوز ریڈر کی حیثیت سے ملازم لڑکی (عمر 28 سال، قد 160 سینٹی میٹر) کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 220

گورنمنٹ ڈگری کالج میں ملازم سنی مسلم لڑکی (عمر 29 سال، قد 167 سینٹی میٹر) کے لئے مناسب رشتہ درکار ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 221

دہلی ایڈمنسٹریشن میں کلرک کی حیثیت سے ملازم سنی مسلم لڑکی (عمر 31 سال، قد 155 سینٹی میٹر) کے لئے رشتہ مطلوب ہے۔ تفصیل کے ہمراہ تصویر بھی ارسال فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 222

مرادآباد میں مقیم مذہبی سنی خاندان کی انڈر گریجویٹ، مہذب، خوبصورت لڑکی (عمر 18 سال، قد 160 سینٹی میٹر) کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے۔ لڑکی کے والد کا ذاتی اکسپورٹ بزنس ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 223

بایو کیمسٹری میں پی ایچ ڈی، خوش اخلاق، بیرون ملک ملازم فیملی ویزا کی مستحق لڑکی (عمر 29 سال، قد 160 سینٹی میٹر) کے لئے مسلم پروفیشنل تعلیم یافتہ لڑکے سے رشتہ درکار ہے۔ لڑکی اگست میں ہندوستان آنے والی ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 224

کنونٹ کی تعلیم یافتہ، خوبصورت شیعہ بیوہ (عمر 34 سال) کے لئے مسلمان علیحدگی شدہ / طلاق شدہ ترجیحاً ڈاکٹر سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 225

رضوی خاندان کی دو لڑکیوں (پہلی سائنس گریجویٹ، عمر 22 سال، قد 157 سینٹی میٹر، دوسری انگریزی ایم اے کی طالبہ، عمر 21 سال، قد 157 سینٹی میٹر) کے لئے موزوں رشتے مطلوب ہیں۔ تفصیل کے ساتھ تصویر بھی ارسال فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 226

بھرپورے بدن کی خوبصورت علیگیرین لڑکی (عمر 25 سال، قد 160 سینٹی میٹر) کے لئے صرف ترقی پسند اور وسیع ذہن رکھنے والے خاندان کے لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ خواہش مند حضرات تصویر ارسال فرماکر باقی تفصیلات سے آگاہی حاصل کرسکتے ہیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 227

ایم بی اے کی طالبہ (عمر 24 سال، قد 164 سینٹی میٹر) کے لئے شیخ سنی گھرانے کے آئی اے ایس / ایرلائن سروس افسر / ڈاکٹر / انجینئر سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 228

سنی پٹھان خاندان سے تعلق رکھنے والی، گندمی رنگت اور بھرپورے بدن کی دلکش، فزیوتھراپسٹ ڈاکٹر لڑکی (عمر 26 سال) کے لئے جس کی آمدنی ساڑھے تین ہزار روپے ماہانہ ہے۔ تاجر پیشہ، پروفیشنل، فوجی افسر سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 229

سنی خاندان کی خوبصورت اور گھریلو ایم بی اے پاس لڑکی (عمر 23 سال، قد پانچ فٹ 2 انچ) کے لئے موزوں رشتے کی تلاش ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 230

خلیج جائیے

Staff Required

For Major Automobile Franchise

1. Parts Salesmen (English & Arabic Essential)
2. Service Receptionists (English & Arabic Essential)
3. Vehicle Technicians (English Required)

Applicants should have Min. 5 years experience.

Send Applications and CV to:

PARTS SERVICE MANAGER
P.O. Box 15731, Jeddah-21454

REQUIRED FOR AN ENGINEERING OFFICE

* AN ARCHITECT.
* STRUCTURE ENGINEER.
* QUANTITY SURVEYOR.
* ELECTRICAL ENGINEER.
* MECHANICAL ENGINEER.
* AUTOCAD OPRS.
* SECRETARY.

APPLICATION TO BE ADDRESSED TO :
P. O. BOX 93873, RIYADH 11683 - FAX. 4629995

WANTED

SALES EXECUTIVES

AN AIR CONDITIONING MAINTENANCE COMPANY IS LOOKING FOR SMART, SELF MOTIVATED PERSONS TO SELL A/C MAINT. PACKAGES IN JEDDAH. **CANDIDATES WITH OWN TRANSPORT NEED ONLY APPLY.**

WE OFFER:

GOOD SALARY AND ATTRACTIVE SALES COMMISSION.
CAR MAINT. ALLOWANCE.
GOOD WORKING ENVIRONMENT, TRAINING AND GROWTH PROSPECTS.

PLEASE APPLY IN CONFIDENCE TO:

OPERATIONS MANAGER
P.O. BOX 34105, JEDDAH 21468

WANTED IMMEDIATELY

Qualifications Required:

1. University Graduate
2. Computer literate both in English and Arabic.
3. Minimum two years working experience.

Please send your comprehensive resume to:

BINLADEN TELECOMMUNICATIONS CO., LTD.
P.O. BOX 6045, JEDDAH 21442
KINGDOM OF SAUDI ARABIA
ATTN: PERSONNEL DEPARTMENT

JOB VACANCIES

A SAUDI CONTRACTING COMPANY HAS THE FOLLOWING

VACANCIES

(AVAILABLE IN DIFFERENT PARTS OF THE KINGDOM)

1 - HVAC ENG. : 5 - YEARS EXP. / BLDGS.
2 - ELECT. ENG. : 5 - YEARS EXP. / BLDGS.
3 - QUANTITY SURVEYOR : 10 - YEARS EXP. / BLDGS.
4 - STRUCT. ENG. : 5 - YEARS EXP.
5 - ARCHITECT : 5 - YEARS EXP.
6 - AUTOCAD USER : 3 - YEARS EXP.
7 - ACCOUNTANT : 5 - YEARS EXP. (ARABIC LANGUAGE & COMPUTER KNOWHOW IS A MUST).
8 - HIGHLY SKILLED TILE / MARBLE LAYERS
9 - HIGHLY SKILLED PAINTERS

SEND C.V WITH RECENT PERSONAL PHOTO TO :

THE MANAGER
P.O.BOX 3406, RIYADH 11471

VACANCIES

A Contracting Company specialized in Electrical / Mechanical works; Eastern Province, KSA requires highly qualified of the following specialities:-

ENGINEERS / **ESTIMATORS** — Electrical, Mechanical, HVAC, Civil — **College Graduates only**

HEAVY EQUIPMENT MECHANICS: Maintenance & repairs

NOT LESS THAN (5) YEARS GULF EXPERIENCE TO ALL SPECIALITIES

Applications along with CV's & testimonials are to be sent to the following address:-

General Manager (AA), P.O.Box 806 Dammam 31421

VACANT JOBS

A LEADING SAUDI COMPANY URGENTLY NEEDS

BUSINESS ADMINISTRATION UNIVERSITY GRADUATES.

ONLY THOSE WHO MEET THE FOLLOWING REQUIREMENTS MAY APPLY:

- BACHELOR DEGREE IN BUSINESS ADMINISTRATION.
- FIVE YEARS WORK EXPERIENCE IN RELEVANT FIELD.
- GOOD COMMAND OF ENGLISH LANGUAGE: READING & WRITING.

C.V., RECENT PHOTOGRAPH, ALONGWITH COPIES OF ACADEMIC AND EXPERIENCE CERTIFICATES ARE TO BE SENT TO THE FOLLOWING ADDRESS:

P.O. BOX NO.: 16666 JEDDAH 21474
SAUDI ARABIA
ATTN: MR. GHALIB JOHARJI

یہ امت اپنے لئے نہیں بلکہ مخلوق کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے

امت مسلمہ کے سینے میں اسلام کا دل دھڑکنا چاہیئے

اس دور کا انسان مادی تہذیب کی فرماں روائی میں جی رہا ہے جہاں اسے ایسے خطرات کا سامنا ہے جسے طوفان نوح سے تعبیر کرنا زیادہ موزوں ہوگا۔ یہ طوفان انسانی معاشرے کی بنیادیں ہلا چکا ہے۔ ایسے میں اسے ہلاکت سے بچانے کے لئے کسی کشتی نوح کی ہی ضرورت ہے۔ ذلت میں روز افزوں ڈوبتی ہوئی قوم کی مدد کے لئے اگر کسی چیز کو کشتی نوح کا نام دیا جاسکتا ہے تو وہ ہے اسلام کا پیغام ۔۔ وہی پیغام جسے اللہ نے تمام رہنماؤں کے لئے رحمت اور ظلمت میں ڈوبے ہوؤں کے لئے ہدایت بتایا ہے۔ لیکن اس پیغام کے لئے بھی ضرورت ہے ایک ایسی امت کی جو اس کی نمائندگی کرے اور انسانیت کو ایسا نمونہ کردار فراہم کرے جو اسلام نے قرون اولی کو عطا کیا تھا اور جس کی بناء پر انہیں خیر القرون کہا گیا اور اس کی تاثیر سے پورے کے پورے گروہ اور قومیں جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہوتی گئیں۔

یہ امت جس کا ذکر کیا جارہا ہے ایسی ہونی چاہیئے جس میں اسلام کا دل دھڑکتا ہو۔ جو توحید خالص، ایمان صادق، علم نافع، عمل صالح اور اخلاق فاضلہ سے عبارت ہو جو خیر کی دعوت، حق وصبر کی نیکی اور تقوی کے قیام میں تعاون اور اس کی راہ میں جدوجہد کی آئینہ دار ہو اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تفسیر ہو۔ یہ امت ایسی ہو کہ اس میں لوگ اسلامی معاشرے کی جیتی جاگتی تصویر دیکھ لیں اور وہ کہنے لگیں کہ یہ وہی امت ہے جس کے پھر سے وجود میں آنے کا ہمیں بہت دنوں سے انتظار تھا۔

> یہ امت جس کا ذکر کیا جارہا ہے ایسی ہونی چاہیئے جس میں اسلام کا دل دھڑکتا ہو۔ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تفسیر ہو۔ یہ امت ایسی ہو کہ اس میں لوگ اسلامی معاشرے کی جیتی جاگتی تصویر دیکھ لیں اور وہ کہنے لگیں کہ یہ وہی امت ہے جس کے پھر سے وجود میں آنے کا ہمیں بہت دنوں سے انتظار تھا۔

اسلامی معاشرہ اپنے عقائد و تصورات، شعائر و عبادات، افکار و شعور، اخلاق و فضائل، آداب و روایات، اقدار و رسوم، اپنے معاشی اور قانونی ضابطوں کے اعتبار سے فرشتوں کا معاشرہ نہیں ہے بلکہ انسانی معاشرہ ہی ہے جو زمین پر بستا ہے۔ لیکن اسے تمام احکامات و ہدایات آسمان سے ملتی رہتی ہیں۔ یہ امت اعتدال کو اپنا شعار بناتی ہے نہ داہنے فریق کی جانب داری کرتی ہے نہ بائیں فریق کی بیجا حمایت، نہ مشرق کے سوشلزم کی طرفداری میں یقین رکھتی ہے نہ مغرب کی سرمایہ پرستی کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اس کا ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے۔ اس کی شخصیت میں استحکام ہوتا ہے اس کی نظر میں شرق و غرب کی تفریق نہیں ہوتی۔ یہ وہ امت ہے جو صرف اپنے نفس کی خاطر زندہ نہیں رہتی محض اپنا پیٹ بھرنے اور اپنے شب و روز کو پرعیش بنانے کی فکر میں غلطاں نہیں رہتی بلکہ دوسروں کے لئے جینا بھی اس کے منشور کا حصہ ہے۔ یہ امت عذاب میں مبتلا بشریت کے دکھ کو اپنے کندھوں پر اٹھانے کو ہمہ وقت تیار رہتی ہے۔ یہ انسان دوستی اور دردمندی کے آفاقی پیغام کو پھیلانے کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ یہ امت خود وجود میں نہیں آئی بلکہ اللہ عزوجل نے اسے وجود بخشا ہے۔ خودرو پودوں کی طرح خود زمین کے سینے سے نہیں نکلی بلکہ اللہ نے اسے نکالا ہے۔ یہ خود اپنے لئے باہر نہیں آئی بلکہ اللہ کی مخلوق کی خدمت و ہدایت کے لئے باہر آئی ہے

> لہذا اس امت کے لئے لازم ہے کہ اسلام کے ذریعہ اپنے نفس کی قلعہ بندی کرے اس طرح کہ اس میں کسی بھی سمت سے شرائر کا نفوذ نہ ہوسکے۔ یہی وہ وصف ہے جس کی مدد سے یہ امت اس دور کے تہذیبی امراض سے اپنی حفاظت کرتے ہوئے خود کو ایمان پر قائم رکھ سکتی ہے اور اللہ کی طرف سے آنے والی مدد اور نصرت کا مستحق ثابت کر سکتی ہے۔

لیکن مادی تہذیب کی تاریکی سے بشریت کو نکالنے میں یہ امت اپنا مثبت کردار اس وقت ادا کر سکتی ہے جب یہ ہر طرح کے شر اور برائیوں سے اور مبرا ہو جائے اور دوسری قوموں کی طرح یہ نفع پسندی، انانیت اور دیگر مادی لعنتوں سے خود کو محفوظ و مامون رکھے۔

لہذا اس امت کے لئے لازم ہے کہ اسلام کے ذریعے اپنے نفس کی قلعہ بندی کرے اس طرح کہ اس میں کسی بھی سمت سے شرائر کا نفوذ نہ ہوسکے۔

یہی وہ وصف ہے جس کی مدد سے یہ امت اس دور کے تہذیبی امراض سے اپنی حفاظت کرتے ہوئے خود کو ایمان پر قائم رکھ سکتی ہے اور اللہ کی طرف سے آنے والی مدد اور نصرت کا مستحق ثابت ہے۔

ہم عصر تہذیب کا نعم البدل پیش کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ہم اس کی تقلید کرنے لگیں اور اسے اپنے لئے معیار بناتے ہوئے اس کے تمام پہلوؤں کو اپنے اوپر منطبق کرلیں۔ ایسا کرنا تو اس گروہ کی اتباع ہوگی جس کا یہ دعوی رہا ہے کہ یوروپیوں کی تقلید میں جب تک ہم ان کی تہذیب کو پوری طرح جزو زندگی نہیں بنالیں گے ترقی کی راہ سے ہٹے رہیں گے۔ یہ وہی گروہ ہے جو ہماری امت کو کشاں کشاں ایسی منزل کی جانب لے جارہا ہے جہاں وہ مادی ترقی کے عروج پر تو ضرور پہنچ جائے لیکن اس کی بہت بڑی قیمت چکاکر اور ناقابل تلافی نقصان سے گزرنے کے بعد۔ یعنی یہ کہ وہ اپنی اسلامی شناخت سے برضا و رغبت دست بردار ہوجائے اور مادی چکاچوند میں اس پر لعنت بھیجنے لگے

حج کے دوران اگر ہم سے کوئی اہم رکن چھوٹ گیا ہے تو اسکا کفارہ کیسے ادا ہوگا؟

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جوابات

س:۔ ایک مسلم ملک کی طبی ٹیم کے ساتھ وہاں کے حجاج کی خدمت کا مجھے بھی موقع نصیب ہوا اور میں حج کی سعادت سے سرفراز ہوا۔ وضاحت طلب بات یہ ہے کہ جو ارکان میں نے ادا کئے وہ قبول ہوں گے اس حالت میں کہ اپنے گھر پر مجھ پر بہت سا قرض واجب الادا ہے اور حج کا موقع ملنے تک میں اس کی ادائیگی نہیں کرسکا تھا۔ دوسرا استفسار یہ ہے کہ رمی جمرات سے فراغت کے بعد میرے ایک ساتھی نے میرے سر کے چند بال ہی کاٹے تھے اور پھر ہم طواف افادہ کے لئے چلے گئے۔ کیا یہ مناسب تھا۔ ہماری طبی ٹیم کو تیسرے دن رمی جمرات کے فورا بعد جدہ واپس ہونا تھا جس کی بناء پر ہم طواف وداع نہیں کرسکے۔ کیا ہم سے کوئی اہم رکن چھوٹ گیا ہے اور اگر ایسا ہے تو اس کا کفارہ کس صورت میں ادا ہوسکتا ہے؟

ج:۔ ایسے بہت سے مسلمان ہیں جو حج جیسے اہم فریضے کی ادائیگی کی شرائط کو پورا نہیں کرتے لیکن یہ بات انہیں عازم حج ہونے سے روکتی نہیں ہے اور انہیں اس کا نااہل قرار نہیں دیتی۔ نااہلی سے مراد یہ ہے کہ ان کے لئے کوئی ایسی شق وضع نہیں کی گئی ہے کہ اس کی رو سے اگر مقررہ دنوں میں حج کرنے کے لئے جائیں تو ان کا حج مقبول نہ سمجھا جائے خواہ اس نے اس فریضہ کی ادائیگی مقررہ ضوابط کے مطابق کی ہو۔ اللہ کی یکتائی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کو اس عظیم فریضے کی ادائیگی سے کیسے روکا جاسکتا ہے جو اس عمل کے بدلے میں اس کے تمام سابق گناہوں کو دھو دیتا ہے۔

عدم استطاعت کی صورتیں یہ ہیں کہ کوئی شخص خواہش کے باوجود مالی وسائل کے فقدان، خاندان کے افراد کا اس کی غیر موجودگی میں عدم تحفظ کے اندیشے، گھر کے کسی فرد یا خود اپنی بیماری کے باعث عازم حج نہ ہوسکے۔

مقروض شخص کے پاس ہوسکتا ہے کہ اتنے پیسے نہ ہوں کہ وہ قرض ادا کرسکے۔ اور اگر پیسے ہیں تو قرض چکانے کے بعد

> اللہ کی یکتائی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کو اس عظیم فریضے کی ادائیگی سے کیسے روکا جاسکتا ہے جو اس عمل کے بدلے میں اس کے تمام سابق گناہوں کو دھو دیتا ہے۔

پہلی فرصت میں حج کا ارادہ کرے۔ اور اگر قرض خواہ سے اتنی مہلت مل جاتی ہے کہ ایک مقررہ مدت پر رقم لوٹا دے گا تو بھی حج پر جایا جاسکتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قرض خواہ اور مقروض کے درمیان ایسی صورت طے پائی ہو کہ مقررہ اقساط میں رقم لوٹا دی جائے گی تو یہ شکل بھی حج پر جانے میں مانع نہیں ہے۔ ایک تیسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کسی شخص کے پاس اتنے ہی پیسے ہوں کہ یا تو وہ حج کرلے یا قرض ادا کرلے تو اسے قرض کی ادائیگی کو مقدم رکھنا چاہیئے۔ قرآن کریم میں جہاں پر حج کی استطاعت کا ذکر ہے اس میں علماء کے اتفاق رائے کے مطابق مالی اور جسمانی استطاعت دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کوئی شخص عدم

بقیہ صفحہ ۱۸ پر

فلورائیڈ کی موجودگی یعنی دانتوں کو امراض سے بچانے کی ضمانت

ٹوتھ پیسٹ میں فلورائیڈ دانتوں کے لئے خطرہ نہیں بلکہ پانی میں اسکی آمیزش خطرناک ہے

فلورائڈ کی مختصر مقدار دانتوں کو درست رکھنے میں مدد دیتی ہے اور اس کی کثرت سے نقصان کا اندیشہ رہتا ہے۔ ورلڈ ڈنٹل ایسوسی ایشن نے 1995 کو فلورائڈ کا سال قرار دیا ہے اور حکومت ہند نے ٹوتھ پیسٹ میں فلورائڈ کے استعمال کے خلاف تحریک کا آغاز کیا ہے۔ حکومت کے اس اعلان پر کہ ٹوتھ پیسٹ کے پیکٹوں پر وارننگ لکھی جائے کہ "سات سال سے کم عمر کے بچوں کو فلورائڈ ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے" دانت کے معالجوں نے احتجاج کیا ہے۔

فلورائڈ ہمارے جسم میں مٹی ملے ہوئے پانی اور ماؤتھ واش اور زیادہ تر ٹوتھ پیسٹ کے ذریعے داخل ہوتا ہے۔ ہندوستان میں تیار ہونے والے ٹوتھ پیسٹوں میں موجود مقدار عالمی تنظیم صحت کی مقرر کردہ حدود میں ہے۔ اور ٹوتھ پیسٹ ساز کمپنیوں کو اپنے پیکٹوں پر فلورائڈ کی مقدار کی نشاندہی کرنی ہوتی ہے۔ سوال کیا جاسکتا ہے کہ جب اتنا واویلا مچ رہا ہے تو ٹوتھ پیسٹ میں فلورائڈ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب ہم کھانا کھالیتے ہیں تو ہمارے منہ میں پیدا ہونے والے تیزابی مادے دانتوں کی پالش کو تحلیل کرنے والے ہی ہوتے ہیں کہ فلورائڈ فوراً آگے بڑھ کر انہیں روک دیتا ہے۔ فلورائڈ کی موزوں مقدار زوال آمادہ دانتوں کے قدرتی رنگ و روغن کو پھر سے بحال کرتی ہے۔ فلورائڈ کے موافق اور مخالف دونوں ہی گروہ مناسب مقدار کی حمایت میں ہیں۔ اس کی زیادتی کی صورت میں دانتوں کو فلوروسس کا مرض لاحق ہوسکتا ہے۔ اس کی سنگین تر شکل ہڈیوں کو لگنے والا فلوروسس ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ فلورائڈ کے اثرات انسانی جسم میں جمع ہوجاتے ہیں تو پھر ان کو باہر نہیں نکالا جاسکتا اور اس کا سبب پینے کے پانی میں فلورین کی کثیر مقدار میں موجودگی ہے۔ فلورائڈ کے حامی گروہ کا کہنا ہے کہ متعینہ معیار سے پانچ پی پی ایم فلورائڈ اگر لوگوں کے جسم میں پندرہ سال تک پہنچتا رہے تبھی یہ استخوانی بوسیدگی کی نوبت آسکتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کا یہ خیال بھی ہے کہ پانی میں فلورائڈ کی مقدار عمر رسیدہ لوگوں میں آسٹو پوروسس (ضعیف لوگوں میں ہڈیوں کے کمزور ہونے کا عمل) کو کنٹرول کرتی ہے۔

پونہ میں مقیم دانتوں کے طبیب جو بلگام میں ہڈیوں کے امراض اور بچوں کے دانتوں کے امراض کے ماہر ہیں اس خیال کے حامی ہیں کہ فلورائڈیشن عوامی صحت کی بہتری میں مثبت رول ادا کرسکتا ہے اور اس کی حیثیت بیماریوں سے بچاؤ والے ٹیکوں کی ہوسکتی ہے۔ ٹوتھ پیسٹ میں فلورائڈ کا روزمرہ استعمال اسی پبلک ہیلتھ پروگرام کی ایک کڑی ہے۔ اس خیال کو تقویت دینے والے ایسے کئی مطالعے ہیں جو امریکہ میں کئے جاچکے ہیں جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ جن بچوں کو پیدائش کے وقت سے ہی فلورائڈ کی آمیزش والا پانی استعمال کرایا جاتا ہے وہ عام بچوں کے مقابلے میں دانتوں کی بیماریوں اور دانت گرنے جیسی تکلیفوں میں ستر فی صد کم مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی نکتہ کو عالمی تنظیم صحت کی رپورٹ بعنوان فلورائڈیشن اور انسانی صحت میں بھی واضح کیا گیا ہے۔ تنظیم نے پینے کے پانی میں ایک پی پی ایم فلورائڈ کی آمیزش کی سفارش کی ہے۔ اس مقصد سے دنیا کے مختلف حصوں میں میونسپلٹی کے فراہم کردہ پانی میں فلورائڈ کی آمیزش کی جاتی ہے۔

> ان ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اگر کوئی بچہ دانت صاف کرتے وقت ٹوتھ پیسٹ کھالیتا ہے تو لڑکے کے دانے بھر کھالینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس طرح اگر وہ ٹوتھ پیسٹ کی مختصر مقدار نگلتا بھی رہے تو استخوانی فلوروسس کا کوئی خطرہ اسے نہیں ہے۔

فلورائڈ کی حمایت کرنے والوں نے اس امر کی جانب اشارہ کیا ہے کہ فلورائڈ کی ٹوتھ پیسٹ میں موجودگی کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اصل پریشانی پینے کے پانی میں اس کی آمیزش سے پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے ملک کے بیشتر علاقوں میں زمین کے نیچے سے حاصل ہونے والے پانی میں فلورائڈ کی مقدار بہت زیادہ ہے اور پینے کے پانی کے سلسلے میں اس مقدار پر عالمی تنظیم صحت کی طرف سے مقرر کردہ کوئی معیار نافذ نہیں ہے بلکہ اس کے مقابلے میں فلورائڈ کی فی لیٹر سے زائد مقدار 6 سے 2 پی پی ایم پائی گئی ہے۔ دانتوں کے امراض کے ماہرین نے جو فلورائڈ نقشہ تیار کیا ہے اس کے مطابق آندھرا پردیش میں نلگنڈہ، پنجاب میں بھٹنڈہ اور راجستھان کے بعض علاقے ایسے ہیں جہاں فی لیٹر فلورائڈ کی مقدار 2 پی پی ایم سے زائد ہے۔ راجیو گاندھی ڈرنکنگ واٹر مشن (آر جی ڈی ڈبلیو ایم) جو نیم سرکاری ادارہ ہے اس کے مطابق ملک کے پندرہ صوبے فلورائڈ کی کثرت سے متاثر ہیں اور تمل ناڈو، آندھرا پردیش، گجرات، راجستھان، اترپردیش کی نصف آبادی دانت یا ہڈیوں کے فلوروسس میں مبتلا ہے۔ بہار، دہلی، کرناٹک، مدھیہ پردیش کو ان علاقوں کی صف میں رکھا گیا ہے جہاں یہ مقدار معتدل ہے اور فلوروسس کی علامات 30 سے 50 فیصد افراد میں پائی گئیں۔

اگر پینے کے پانی میں فلورائڈ کی زیادتی کی بناء پر ہندوستان میں فلوروسس کی بیماری لوگوں کو ہوتی ہے تو اس کا تعلق ٹوتھ پیسٹ سے کیوں قائم کیا ہے۔ دونوں باتوں میں اس کے علاوہ کوئی تعلق نہیں ہے کہ فلورائڈ کی کثرت خطرناک ہے۔ فلورائڈ مخالف طبقے کا خیال ہے کہ دانت صاف کرنے کے دوران چونکہ اکثر بچے ٹوتھ پیسٹ نگل جاتے ہیں اس لئے ان پر اس کے زہریلے اثرات مرتب ہوں گے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ فلورائڈ کا براہ راست داخلہ انسانی جسم میں منہ میں واقع نازک خون کی شریانوں کے ذریعے ہوتا ہے۔

لیکن دانت کے ڈاکٹروں کا یہ خیال ہے کہ ان نتائج کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور سچ یہی ہے کہ فلورائڈ انسان کو زندگی بھر بہت سے امراض سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس ضمن میں کی گئی تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ زہر نمو دانتوں کی ساخت میں فلورائڈ کی موجودگی شیر خوارگی سے لے کر بارہ سال کی عمر تک بچے کو دانت گرنے اور خراب ہونے سے بچائے رکھتی ہے اور دانتوں میں فلورائڈ کی موجودگی امراض سے زندگی بھر کی ضمانت بن جاتی ہے اگرچہ بعد کے زمانے میں فلورائڈ کی اہمیت کم ہوجاتی ہے۔ ان ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اگر کوئی بچہ دانت صاف کرتے وقت ٹوتھ پیسٹ کھالیتا ہے تو لڑکے کے دانے بھر کھالینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس طرح اگر وہ ٹوتھ پیسٹ کی مختصر مقدار نگلتا بھی رہے تو استخوانی فلوروسس کا کوئی خطرہ اسے نہیں ہے

بقیہ: فقہی سوال و جواب

استطاعت کی کسی صورت کے باوجود اگر حج کرتا ہے یعنی یہ کہ اس پر قرض ہے اور کسی ادارے کی طرف سے حج کا دعوت نامہ ملتا ہے تو کیا وہ حج مقبول ہوگا یا نہیں۔ جواب یہ ہے کہ ایسا حج مقبول ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مذکورہ دعوت نامے کی منظوری اس کے قرض کی یکمشت یا بالاقساط ادائیگی کے مقررہ وقت پر اثرانداز نہیں ہوتی۔ نیز یہ کہ اگر اسے اندازہ ہو کہ اس سفر میں کثیر اضافی رقم خرچ کرنے یا ساتھ رکھنے کی ضرورت ہے تو وہ اپنے قرض خواہ سے صورت حال کی وضاحت کرتے ہوئے اسے اطمینان دلاسکتا ہے۔ لیکن اگر خاصا قرض کسی پر ہے اور قرض خواہ سے مہلت لئے بغیر وہ حج کرنے جاتا ہے تو یہ ایسا ہی ہوا کہ وہ کسی دوسرے شخص کی رقم مذہبی فریضے کی ادائیگی میں استعمال کر رہا ہے اور اللہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

اس صورت کا اطلاق اس مقروض شخص پر بھی ہوتا ہے جو کہ مکہ مکرمہ کے قریب مقیم ہو اور جس کی ادائیگی حج میں کوئی خاص مالی خرچ درکار نہیں ہے۔ سائل کی طرح جدہ میں برسرملازمت شخص جو اپنے وطن میں لوگوں کا مقروض ہے۔ ممکن ہے کہ اسے اگلے سال یہ باسعادت موقع حاصل نہ ہوسکے۔ ایسے کسی موقع سے فائدہ اٹھا کر حج کرلینے سے وطن میں اس کے جو قرض خواہ ہیں ان کی وصولی، قرض کے معمول اور نظام میں کوئی فرق یا خلل واقع نہیں ہوتا۔ اس کا حج یقیناً مقبول سمجھا جائے گا۔ اور بہتر ہے کہ وہ دعائے خیر میں اپنے قرض خواہ اور محسنوں کو بھی یاد رکھے۔

دوران حج قربانی کے دن کے فرائض میں جو باتیں شامل ہیں وہ ہیں رمی جمرات، قربانی کا جانور ذبح کرنا، سر منڈانا یا بال کترنا اور طواف افادہ کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرما دی ہے کہ ان ارکان کی کوئی مخصوص ترتیب نہیں ہے جس میں ادل بدل ہونے سے کوئی حرج واقع ہو یعنی یہ کہ ترتیب میں ردوبدل ہوسکتی ہے۔ ایک موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ترتیب میں ردوبدل کے بارے میں دریافت فرمایا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو قبولیت دے دی تھی۔ کوئی حاجی چاہے خود اپنے بال کاٹے یا دوسرا حاجی اس کے بال کاٹے دونوں میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جہاں تک سر مونڈنے کی فضیلت کا سوال ہے تو اس بات سے ظاہر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعاء میں حج کے موقع پر سر مونڈنے والوں کے لئے تین بار دعاء فرمائی اور ترشوانے والوں کے لئے ایک بار۔

طواف وداع مکہ میں مقیم افراد کے علاوہ ان تمام حاجیوں کے لئے فرض رکن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس رکن کے ترک ہونے پر حدود حرم میں ایک جانور کی قربانی کا کفارہ واجب ہوتا ہے اس طرح کہ اس کا گوشت آس پاس کے محتاجوں میں تقسیم کردیا جائے۔ ذاتی استعمال میں اس کا کوئی حصہ نہیں لایا جاسکتا۔ لہذا موجودہ سائل کو اسی طرح کفارہ ادا کرنا ہے۔ یہ کفارہ ابھی ادا کیا جاسکتا ہے جو زیادہ مناسب ہے یا پھر اگلے حج تک انتظار بھی کیا جاسکتا ہے۔

پھانسی پانے سے قبل بھٹو نے داڑھی بناتے ہوئے کہا تھا

"میں بارِیش ملّا کی طرح مرنا نہیں چاہتا"

جنرل کے ایم عارف کی کتاب نے پاکستانی سیاست کے بے شمار گوشوں کو اجاگر کیا ہے

1947ء میں برطانوی تسلط سے آزادی ملنے کے بعد سے اب تک کا نصف عرصہ پاکستان میں مارشل لا کے تحت گزرا ہے۔ اس ملک میں جولائی 1977ء میں جنرل ضیاء الحق کے ہاتھوں ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے خاتمہ پر چوتھی بار مارشل لا نافذ کیا گیا۔ "پاکستان میں اقتدار کی سیاست 88 1977

جنرل کے ایم عارف

ء" کے مصنف جنرل کے ایم آصف نے اس کتاب میں پاکستانی سیاست پر لگنے والے گہرے زخموں کو ناقابل مداوا قرار دیا ہے۔ وہ صدارتی عملے کے سربراہ اور پاکستانی فوج کے کمانڈر رہ چکے ہیں اور داخلی حالات پر خاصی گہری نظر رکھتے ہیں۔

جولائی 1977ء میں بھٹو حکومت کا تختہ پلٹنے کے ساتھ وہاں ایک بار پھر جمہوریت کا سورج غروب ہوگیا تھا۔ جنرل ضیاء الحق کی اپنی پسند اور ناپسند، اچھائیوں اور خرابیوں سے قطع نظر ان کی شخصیت میں ایک فوجی اور مطلق العنان حکمراں کی زیادہ کارفرمائی تھی جو بہت سے سیاسی بصیرت رکھنے والوں کی پیش گوئیوں کے باوجود اقتدار پر جمے رہے۔

پاکستان کے قومی افق پر جنرل ضیاء الحق کا مرکزی حیثیت سے ابھرنا خود اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ نہیں تھا۔ پاکستان کے داخلی معاملات میں فوج کی بالادستی کی روایت کے پیچھے پوری ایک تاریخ چھپی ہوئی ہے جس کا سہرا قیام پاکستان اور جمہوری اقدار پر قائم جاندار سیاسی فضا پیدا کرنے میں اس کی ناکامی سے جا ملتا ہے۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ پاکستان کی پیدائش ہی انتشار میں ہوئی ہے اور غلامی سے آزادی تک کا سفر مذہب اور جمہوریت دونوں کے نام پر انسانی خون بہا کر طے کیا گیا جس سے آزادی تو مل گئی لیکن اس کی مسرتوں پر انسانی دکھوں اور اداسی نے پنجے گاڑ دیئے۔

جنرل کے ایم عارف پاکستانی فوج کے کمانڈر کی حیثیت سے مختلف آزمائشی مرحلوں میں فیصلہ سازی کے عمل میں قومی سطح پر شریک رہتے تھے انہوں نے سابق صدر ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی اور طریقہ کار کے بعض گوشوں پر سے بھی نقاب اٹھایا ہے۔ بھٹو کو پھانسی لگنے سے دو روز پہلے کراچی اور لاڑکانہ میں ان کی رہائش کی تلاشی کے دوران زمرہ بند اور غیر زمرہ بند دستاویزات کے عکسی نسخوں کی چھان بین سے یہ آشکارا ہوا کہ انہوں نے غالباً اپنی یادداشت لکھنے کی غرض سے ریکارڈ محفوظ رکھنے کا بہت اچھا طریقہ اپنا رکھا تھا لیکن موت نے انہیں اس کا موقع نہیں دیا۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ ذاتی مقاصد سے سرکاری زمرہ بند دستاویزات کے عکس لینا پاکستانی قوانین کے منافی ہے لیکن بھٹو ہمیشہ خود کو قانون سے بالاتر سمجھتے تھے۔ اسی قبیل کے ایک انتہائی خفیہ دستاویزات کی ایک پوری تاریخ ہے جو بھٹو کی رہائش سے برآمد ہوا۔

1971ء کی ہند پاک جنگ میں محمود الرحمن کمیشن نے پاکستان کی شکست کے اسباب کا تعین کیا تھا۔ اس سے متعلق رپورٹ کی ایک مکمل جلد کی کاپی بھٹو نے وزیراعظم کے سکریٹریٹ میں رکھی تھی اور یہ حد درجہ حساس دستاویز میجر جنرل امتیاز علی کی تحویل میں تھی۔ اس رپورٹ کی باقی تمام کاپیاں بحکم حکومت نذر آتش کردی گئی تھیں۔

بھٹو حکومت کے زوال کے بعد میجر جنرل امتیاز علی نے یہ ریکارڈ بریگیڈیر محمد یونس کے حوالے کردیا جو اس وقت سی ایم ایل اے سکریٹریٹ میں تعینات تھے۔ اس ہیر پھیر میں رپورٹ کی ایک جلد غائب ہوگئی۔

بھٹو کے آخری لمحات کے بارے میں بہت سی کہانیاں اخبار و رسائل میں ان کی موت کے فوراً بعد شائع ہوئی تھیں۔ بعض تو خالص تخیلی تھیں اور بعض نے ان کی شخصیت کو افسانوی حیثیت دے دی۔ لیکن جنرل کے ایم عارف نے

باقی ص۱۰ پر

آپ کی الجھنیں

برے خوابوں کا ذکر کسی سے مت کرو کیونکہ

شیطان نیند میں تم سے کھیلتا ہے

سوال: — میں پندرہ سال کا نوجوان ہوں ادھر کچھ دنوں سے میں ڈراؤنے خواب دیکھتا ہوں اور اکثر ایک ہی طرح کی باتیں گھوم پھر کر آتی ہیں جس سے میں حد درجہ رنجیدہ رہنے لگا ہوں۔ میں نے تعبیر خواب کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا لیکن اس سے میری فکر اور تشویش میں اضافہ ہی ہوا۔ اب تو ان خوابوں نے مجھے بہت زیادہ پریشانی اور حیرت میں ڈال دیا ہے۔ امید ہے کہ آپ کوئی ایسی ترکیب بتائیں گے جس سے میں اس پریشانی سے نجات پاسکوں؟

جواب: — ڈراؤنے خواب آدمی کو شیطان دکھاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خواب کی تین قسمیں ہیں (1) سچا خواب جو اللہ کی جانب سے بشارت و خوشخبری کی شکل میں آتا ہے (2) وہ خواب جو شیطان دکھاتا ہے انسان کو پریشان کرنے اور وسوسے میں مبتلا کرنے کے لئے (3) وہ خواب جو انسان اپنے آپ دیکھے۔

امام مسلم سے روایت ہے کہ اگر کوئی شخص نیند میں کوئی برا اور ڈراؤنا خواب دیکھے تو بستر سے اٹھ کر نماز پڑھنا چاہئے اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرے۔ الی قتادہ الحارث بن ربعی انصاری سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ سچے خواب یعنی رویاء صالحہ اللہ کی طرف سے آتے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے۔ اسی طرح ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ میں پریشان کن اور برے خواب دیکھا کرتا تھا یہاں تک کہ ابو قتادہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں برے خوابوں سے پریشان رہتا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سچا خواب اللہ کی طرف سے آدمی کو دکھایا جاتا ہے اور برا خواب شیطان دکھاتا ہے

اگر کوئی شخص اچھا اور خوش کن خواب دیکھے تو اس کا ذکر صرف اس شخص سے کرے جو اسے عزیز رکھتا ہو۔ اور اگر کوئی برا خواب دیکھے تو اٹھ کر اپنے بائیں جانب تین بار تھوکے اور شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے اور اس خواب کے شر سے بھی اور اس برے خواب کا ذکر کسی سے بھی نہ کرے یہاں تک کہ اپنے کسی عزیز سے بھی نہیں اور اس کا اطمینان رکھے کہ ایسا کرنے میں اسے کوئی ضرر پہنچنے والا نہیں ہے۔ اور اس حدیث پاک کے متعلق امام مالک کی روایت ہے کہ ابوسلمہ نے بیان کیا کہ میں ایسے خواب دیکھا کرتا تھا کہ اس کے بعد پریشانی اور فکرمندی کی بنا پر میرے ذہن پر پہاڑ سے بھی زیادہ بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ لیکن جب سے یہ حدیث میں نے سنی تو میری تشویش اور فکرمندی رفع ہوگئی۔

> اگر کوئی شخص خوش کن خواب دیکھے تو اسکا ذکر صرف اس سے کرے جو اس کو عزیز رکھتا ہو۔ اگر کوئی برا خواب دیکھے تو اٹھ کر اپنے بائیں جانب تین بار تھوکے اور شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے

مسلم اور ابوداؤد سے روایت ہے کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بیان کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کبھی پریشان کن اور برا خواب دیکھے تو اٹھ بیٹھے اور بائیں طرف تین بار تھوکنے کے بعد اللہ سے شیطان کے شر سے پناہ مانگے اور اگر بائیں کروٹ سویا ہو تو دائیں کروٹ لیٹے اور داہنی کروٹ پر سویا ہوا تھا تو بائیں کروٹ پر لیٹے۔ ان تمام احادیث سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں

1 برا خواب شیطان کی طرف سے آتا ہے جس سے وہ بندہ مومن کو پریشان کرتا ہے۔

2 — اور برا خواب دیکھنے پر سنت نبوی کے مطابق حسب ذیل کام آدمی کو کرنے چاہئیں۔

(الف) خواب کے شر سے تین بار اللہ سے پناہ مانگے۔

(ب) اپنے بائیں جانب تین بار تھوکے۔

(ج) کروٹ بدل لے۔

(د) اس کے بارے میں رازداری برتے یعنی کسی سے بھی اس کا ذکر نہ کرے۔

(ہ) اور اگر اٹھ بیٹھا ہو تو وضو کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے تو بہتر ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ مسلمان جب خواب کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہے تو پھر اسے کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔

ایک بدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے سر پر ضرب لگائی جارہی ہے اور وہ لڑھک رہا ہے۔ اس بات کا مجھ پر شدید اثر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا ذکر لوگوں سے مت کرنا کہ شیطان نیند میں تم سے کھیلتا رہا ہے۔ اس کے بعد آپ نے لوگوں کو مخاطب کرکے کہا کہ نیند میں اپنے ساتھ شیطان کے کھیل کا آپس میں ذکر نہ کرو۔

سائل کو چاہئے کہ وہ خواب کی تعبیر کی کتابیں پڑھنے سے احتراز کریں اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں مذکورہ تعبیریں داخلی تضاد رکھتی ہیں یعنی کہ ایک ہی خواب کی تعبیر ایک حالت میں اچھی تو دوسری حالت میں بری ہوسکتی ہے گویا کہ ان کی تعبیر کے تعین میں انسان کے حالات اس کی ذہنی کیفیت، مکان و زمان کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ اور بیشتر ان سے اوہام میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس طرح رات کی نیند کے ساتھ ساتھ دن کا چین بھی جاتا رہتا ہے۔

Price - Rs 10/- (With Supplement)
1 _ 15 JULY, 1995
The Milli Times International
(India's first International Urdu Weekly)
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018
R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-16036/95

ہائے جمیمہ

ہائے جمیمہ یہ تونے کیا کیا؟ مغرب کے آزاد معاشرے کو چھوڑ کر تم نے ایک پاکستانی مسلمان سے شادی کرلی اب تو تمہیں ہر وقت برقعے میں رہنا ہوگا۔ باہر کی دنیا تم پر بند ہوگئی نہ تو اب تم نائٹ کلب جاسکتی ہو نہ ہی سماجی اور ثقافتی مجلسوں میں حصہ لے سکتی ہو اور نہ ہی اپنے بہت سے مرد دوستوں کے ساتھ شیمپین کے جام لنڈھا سکتی ہو کہ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہیں پچاس کوڑے کی سزا ہوسکتی ہے۔ گویا اسلام قبول کرکے تم نے اپنی زندگی ہی تباہ کرڈالی۔

یہ ہے وہ تصور جو عام طور پر مغرب کے اخبارات اور میڈیا میں جمیمہ عمران کی شادی کے تعلق سے اسلام کے بارے میں عام ہے۔

جمیمہ کے قبول اسلام نے مغرب میں ایک بار پھر اسلام کے بارے میں بے شمار سوالات کو جنم دیا ہے۔ کیا اسلام مغرب کے مقابلے میں عورت کے حقوق کی زیادہ بہتر ضمانت دیتا ہے۔ کیا اسلام آج بھی اپنے اندر یہ قوت رکھتا ہے کہ وہ یوروپ کی خوبصورت حسیناؤں کا دل موہ لے۔ اگر ایسا نہیں تو آخر انگریز نژاد خواتین کی کھیپ کی کھیپ اسلام میں داخل کیوں ہورہی ہے؟۔ مغرب اس سوال کا جواب چاہتا ہے۔

مغرب کو اس بات کا بھی خوب اندازہ ہے کہ اسلام کے خلاف زبردست گمراہ کن پروپیگنڈہ کے باوجود وہ اسلام کے فروغ کو روکنے میں ناکام رہا ہے۔ اب تو عالم یہ ہے کہ خود اس کے اپنے تہذیبی مراکز میں گرجاگھر مسجدوں میں تبدیل ہورہے ہیں۔ اور ان کے نوجوان رقص و سرود کی محفلوں کو خیرباد کہہ کر ایک اسلامی زندگی جینے کے لئے اپنے اندر جوش و خروش پاتے ہیں۔ یہ کچھ وہی صورت حال ہے جو اسلام کے زمانہ عروج میں جب اسپین میں مسلمانوں کا تہذیبی جاہ اپنے عروج پر تھا اسلام کے حوالے سے یوروپ کو درپیش تھی۔ یوروپ کے مفکرین اور مذہبی رہنماؤں کو یہ شکایت عام تھی کہ آخر ہمارے نوجوانوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ عربوں کی نقل اتارنے، عربی بولنے کو باعث فخر سمجھنے اور مسلمانوں کی طرح روز روز نہانے کے عادی ہوتے جارہے ہیں۔ تب اس وقت بھی پیرس میں عیسائی دنیا کی ایک بڑی کانفرنس منعقد کی گئی تھی جس میں یہ طے پایا تھا کہ اسلام کا مقابلہ نہ تو تلوار سے کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظریاتی دلائل سے۔ لہذا گمراہ کن پروپیگنڈہ کا سہارا لیا جائے کہ یہی چیز ہماری نئی نسل کو اسلام سے بچائے رکھ سکتی ہے۔

یوروپ اسلام کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈہ کی راہ پر آج بھی گامزن ہے لیکن اب ذرائع ابلاغ کے عام ہوجانے اور ہر قسم کی معلومات کے ہر جگہ پہنچ جانے کی وجہ سے اسلام کے خلاف تانی جانے والی مکروہ پروپیگنڈے کی چادر میں بھی جا بجا سوراخ واقع ہوا ہے۔ پھر یہ کہ خود مسلمانوں کی ایک بڑی قابل ذکر آبادی ان ہی ممالک میں آباد ہے جن کی روزمرہ کی زندگی اسلام کی "قاہر اور خونخوار" زندگی سے میل نہیں کھاتی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم دنیا کے لباس اور فیشن اب مغرب میں عام ہوتے جارہے ہیں اور مغرب کی نئی نسل کے لئے اسلام میں روز بروز کشش بڑھتی جارہی ہے۔